آپ ﷺ اور خلفاء راشدینؓ
کے مکالمے قرآن وسیرت طیبہ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد ادریس آزاد سومرو
صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ آرٹس کامرس کالج لاڑکانہ

ABSTRACT

DIALOGUE OF HOLY PROPHET (P.B.U.H) OF ISLAM AND KHULF AI RASHEED (R.A)' IN THE LIGHT OF HOLY QURAN ,AND SEERAT-TAYABAH.

(PERCIZED)

According to sence and understanding there is lot of importance to dialogue. it is fact that every body easily understand when we discuss before the people through reasonable dialogu and through simple way we can satisfy to the others Almighty Allah has sent Apostles for guidance of people they produced their claim through dialogue.

Amongst all the Prophets Hazrat Muhammad Mustafa Ahmed -e- Mujtaba (S.A.W) has becomes as finality of Prophet hood, Mercy for universe and beloved of Master of universe and he has been introduced as a teacher of human and most Gratitude Either discuss an announcement of one ness of God or Beginning of migration charter of Madina, treaty of Hudabia conquest of Macca or last

sermon of departing pilgrims.

In short we can say that the Holy Prophet (P.B.U.H) while invitation of preach used to way of dialogue.

From selected topic we have known that the Holy Prophet (P.B.U.B) of Islam has improved Islam through moral character, Seerat Tayaba, Holy attitude and sweet. discussion and after passing fourteen hundred years Islam established this is mercy of Holy Prophet (P.B.D.H) due to that today all the Muslims are living with brother-hood, love, unity, sincerity and determination.

افہام وتفہیم کے حوالے سے مکالمے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اپنے ہوں یا پرائے، چھوٹے ہوں یا بڑے، پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ آمنے سامنے گفتگو کرنے سے مدعا آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ سوال وجواب کرنے سے ہر بات کو آسان بنایا جاسکتا ہے اور سہل طریقے سے دوسرے کو مطمئن کیا جاسکتا ہے۔

انسانی رشد وہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو انبیآء ورسل بھیجے انہوں نے مکالمہ کے ذریعہ ہی اپنا مدعیٰ پیش کیا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود جیسے سرکش اور باطل انسان کو روبرو سوال وجواب کرتے ہوئے لاجواب کردیا۔

تمام انبیآء ورسل میں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ خاتم النبیین رحمت للعالمین اور محبوب رب العالمیں بن کہ آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محسن اعظم اور معلم انسانیت کے القاب سے بھی متعارف ہوئے۔

ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم
بالتی هی احسن ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبیله و
هوا علم با لمهتدین (۱)

اے پیغمبر لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کیطرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو جو اس کے راستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے خوب جانتا ہے۔

اس آیت کی روشنی میں آنحضرت محمد ﷺ نے جو اعلان توحید کیا اور جو دعوت و تبلیغ کا طریقہ اختیار کیا وہ تقریباً مکالمے کی صورت میں نظر آتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنه (۲)

البتہ تحقیق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اسوہ حسنہ یعنی سیرت طیبہ میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں آنحضرت محمد ﷺ نے سیرت طیبہ کی روشنی میں جو بہترین نمونہ پیش کیا اس نمونہ نے بھی آپ کی مدعا کو آسان، عام فہم اور قابل عمل بنا دیا۔

لقد من الله علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم و یعلمهم الکتٰب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (۳)

البتہ تحقیق ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے بڑا احسان کیا جو انہیں میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے ورنہ تو یہ حقیقت تھی کہ قبل ازیں یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت کی روشنی میں نتیجہ یہ نکلا کہ ایمان والے لوگ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین تو

اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم (۴)

میرے صحابہ تاروں کی مانند ہیں انہیں میں سے تم کسی بھی ایک کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

بڑے اعزاز کے مالک بن گئے، جن کی اطاعت بھی لازم قرار دی گئی۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا کہ

علیکم بسنتی و سنة المھدیین الراشدین فتمسکو ابھا(۵)

تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔ پھر تم تمسک سے کام لو۔

مکالمات پر مبنی طریقہ تبلیغ جو آنحضرت ﷺ نے اختیار کیا ان کی مزید مثالیں اسطرح ہیں:

(الف) اعلان توحید اور مکالمے:

وانذر عشیرتك الاقربین (۶)

اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں آں حضرت ﷺ کو اعلان توحید کیلئے جب حکم ملا تو آپ ﷺ نے اہل قریش کے قریبی رشتہ داروں کو بلایا اور فرمایا کہ۔۔

واعبدو الله ولا تشر کو ا به شیئا(۷)

پھر تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

وقال الله لاتتخذو ا الٰھین اثنین انما ھو اله واحد (۸)

اور اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ تم دو کو معبود مت بناؤ کیونکہ وہ صرف ایک ہی معبود ہے۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ کے حوالے سے آں حضرت محمد ﷺ نے جب عذاب الٰہی سے ڈرایا، ایک معبود اللہ جل جلالہ کے سامنے جھکنے، عبادت کرنے اور بتوں کی پرستش کرنے سے منع نامہ فرمایا تو اہل مکہ یعنی عتبہ، شیبہ، پسران ربیعہ بن عبدالشمس، ابوالبختری بن ھشام بن حرث بن اسد بن عبدالعزیٰ، اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ، ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، ابوجہل بن ھشام بن مغیرہ، برادر زادہ ولید عاصی بن وائل بن ہشام بن سعد بن سہم، پسران حجاج بن علی بن حذیفہ بن سعد بن سہم، اسود بن عبدیغوث بن وھب بن عبدمناف بن زہرہ وغیرھم (۹) کو یہ عمل ناگوار گذرا اور سب کے سب عداوت پر کمر بستہ ہو گئے۔ یہ لوگ اولاً حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں اور اس قسم کی باتیں کرنے سے روکیں اور حضرت ابو طالب سے کہنے لگے کہ (۱۰)۔

اگر آپ کے بھتیجے کو مال اور دولت کی ضرورت ہے تو مہیا کرتے ہیں، اور اگر مکے کی سرداری کی خواہش ہے تو اس کے لئے بھی حاضر ہیں، اور اگر دولتمند خوبصورت عورت سے عقد کا ارادہ ہو تو اس کے لئے بھی تیار ہیں صرف اتنا

کہہ دو کہ وہ ہمارے معبودوں کی تذلیل نہ کرے۔ حضرت ابو طالب کا پیغام سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ (۱۱)

یا عماہ واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علیٰ ان اترک ھذا الامر حتیٰ یظھرہ اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ

اے چچا جان واللہ اگر میری دائیں جانب سورج اور بائیں جانب چاند رکھ دیں کہ میں اس معاملے کو چھوڑ دوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود اس کو غلبہ دے یا میں مر جاؤں تو بھی اسے نہ چھوڑونگا۔

ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ قریش کے ہر قبیلے کے بڑے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، العضر بن الحارث بن کلدہ بنی عبدالدار، ابوالبختری بن ھشام، الاسود بن المطلب بن اسد، زمعہ بن الاسود، الولید بن المغیرہ، ابوجھل بن ھشام عبداللہ بن ابی امیہ، العاص بن وائل وغیرہ وغیرہ یہ سب لوگ غروب آفتاب کے بعد کعبۃ اللہ کے پیچھے جمع ہوئے، پھر ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ محمد ﷺ کو بلوا بھیجو اور اس سے گفتگو کرو اور اس کو قائل کرو۔ پھر انہوں نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ تمہاری قوم کے بڑے بڑے لوگ تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں کہ تم سے گفتگو کریں۔ اس لئے تم ان کے پاس آؤ تو رسول اللہ ﷺ فوراً تشریف لائے تو قریش نے کہا کہ:

''اے محمد ﷺ ہم نے تمہیں اس لئے بلوایا ہے کہ تم سے گفتگو کریں، اور واللہ ہم نے عرب میں کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس نے اپنی قوم پر وہ آفت ڈھائی ہو جو تم نے اپنی قوم پر ڈھائی ہے۔ تم نے ہمارے باپ دادا کو گالیاں دیں۔ تم نے دین پر عیب لگایا، تم نے معبودوں کو گالیاں دیں، تم نے عقل مندوں کو احمق بنایا اور جماعت میں پھوٹ ڈال دی۔ تم نے اپنے اور ہمارے تعلقات میں کوئی ایسی برائی نہ چھوڑی جسے تم نہ کر گزرے ہو، اگر یہ بات اس لئے ہے کہ اس کے ذریعے کچھ مال چاہتے ہو تو ہم اپنے مال میں سے تمہارے لئے بہت کچھ جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب میں زیادہ مالدار

ہو جاؤ، اگر تم اس کے ذریعے ہم میں اعلیٰ مرتبہ چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور اگر تم اس کے ذریعے حکومت چاہتے ہو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں، اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے موکل یا جن جس کو تم دیکھتے ہو وہ تم پر غالب آ گیا ہے (تو تمہارا علاج کرا دیتے ہی)۔"

اہل قریش کی باتیں سن کر آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا کہ:

"مجھے ان چیزوں میں سے کچھ نہیں چاہیئے جو تم کہتے ہو، جو کچھ بھی لایا ہوں وہ اس لئے نہیں کہ معاوضے میں تمہارے مال حاصل کروں، نہ میں تم میں اعلیٰ مرتبہ چاہتا ہوں نہ تم پر حکومت لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری جانب پیامبر بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھے پر ایک کتاب اتاری ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے خوشخبری سنانے والا اور برے انجاموں سے ڈرانے والا ہو جاؤں، میں نے تو اپنا پیغام پہنچا دیا اور تم سے خیر خواہانہ بات کہ دی، اگر تم نے میری باتیں جو میں تمہارے لیئے لایا ہوں تم نے مان لیں تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہے، اور اگر تم نے انہیں مجھ پر لوٹا دیا تو میں حکم الٰہی تک صبر کرونگا۔ یہاں تک اللہ میرے اور تمہارے درمیاں فیصلہ فرما دے۔"

آنحضرت ﷺ کے مذکورہ مکالمے کو سن کر اہل مکہ نے یہ کہا:

اے محمد ﷺ ہم نے جو چیزیں پیش کی ہیں ان میں سے کسی چیز کو بھی اگر تم قبول نہیں کرتے تو تم اس بات کو جانتے ہی ہو کہ لوگوں میں کوئی بھی ہم سے زیادہ تنگ شہر والا نہیں اور نہ پانی کی قلت میں ہم سے بڑھ کر کوئی ہے اور نہ کوئی ہم سے زیادہ سخت زندگی بسر کرنے والا ہے لہذا اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کرو جس نے تمہیں بھیجا ہے، خواہ اس نے جو کچھ احکام دے کر بھیجا ہو کہ یہ پہاڑ جنہوں نے ہم پر تنگی کر دی ہے، وہ انہیں ہٹا کر ہم سے دور کر دے، اور ہمارے شہر کشادہ بنا دے اور ہمارے لئے ان میں شام و عراق کی سی نہریں جاری کر دے اور ہمارے بزرگوں میں سے جو گزر چکے

ہیں انہیں ہماری خاطر زندہ کیا جائے ان میں قصیٰ بن کلاب بھی ہوں کیونکہ وہ بڑے سچے بزرگ تھے کہ تم جو کچھ کہتے ہو ہم ان سے پوچھ لیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط، پس انہوں نے تمہاری تصدیق کی اور تم نے وہ چیزیں کر دیں جن کا ہم نے تم سے سوال کیا ہے تو پھر ہم تمہیں سچا جانیں گے۔

اس مکالمے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

میں تمہارے پاس ان چیزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا ہوں میں اللہ کے پاس سے صرف وہی چیزیں لایا ہوں جو چیزیں دے کر اس نے مجھے بھیجا اور میں نے وہ چیز تمہیں پہنچادی جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا۔ پس اگر تم نے اس کو قبول کرلیا تو وہ دنیا و آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہے اور اگر تم نے اسے مجھ پر لوٹا دیا تو حکم الٰہی تک صبر کروں گا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے۔

مذکورہ بالا مکالمات کے بعد اہل مکہ یعنی قریش کو یہ یقین آ گیا کہ آنحضرت ﷺ اپنے مدعا سے باز نہیں آئیں گے تو انہوں نے ستانا شروع کیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضہ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وہ وقت تھا کہ میں نے پانچ غلاموں، دو عورتوں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا حضرت رسول ﷺ کے ساتھ کسی اور کو نہیں دیکھا (13) اسکے بعد اسلام کا دائرہ بڑھتا گیا اور لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے ہوئے نظر آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کوشش سے بھی کافی لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعوت اسلام دیتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:(14)

''اے عثمان تم مدبر و زیرک ہوتے ہوئے اور حق باطل میں شناخت کی قوت رکھتے ہوئے بھی اپنی قوم کو دیکھ رہے ہو کہ بت پرستی کی طرف مائل ہیں، کیا یہ لوگ گونگے، بہرے نہیں ہیں (یہ بت) نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مکالمہ سنکر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوگئے تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاصہ بن امیہ نے پکڑ کر آپ کو رسی سے مضبوط باندھ دیا اور کہا

کہ(15)

تم اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین کو اختیار کرتے ہو، اور اللہ کی قسم جب تک تم اس دین کو نہیں چھوڑو گے اس وقت تک تمہیں بلکل نہیں کھولوں گا۔

حکم بن ابوالعاص بن امیہ کی گفتگو سن کر حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے چچا حکم کو یہ فرمایا کہ:

"اللہ کی قسم میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔"

نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی اور پختگی دیکھ کر حکم نے بھی آزاد کر دیا۔

ب۔ ہجرت کا آغاز اور مکالمے:

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کے ہر قبیلے کے سردار دارالندوہ میں جمع ہوئے، وہاں ابلیس بوڑھے شخص کی صورت میں آیا اور قریش کے سرداروں نے اس کو دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا کے میں شیخ نجد ہوں اور میں بھی تمہیں مشورہ دینے آیا ہوں، سب نے ملکر آنحضرت ﷺ کے خلاف مشورے دینے شروع کیے، کسی نے قتل کرنے کا مشورہ دیا، کسی نے قید کرنے کا مشورہ دیا مگر ابوجہل نے کہا کہ ہر قبیلہ سے ایک نوخیز نوجوان لو سب ملک کر اگر آنحضرت ﷺ کو قتل کر دینگے تو ان کا خون ہر قبیلے کے ذمہ ہوگا اور بنو ہاشم کا قبیلہ قریش کے تمام قبائل سے جنگ نہیں کر سکے گا، جب وہ قصاص لینے کو مشکل پائینگے تو دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم ان کی ایذاء رسانی والی تبلیغ سے نجات حاصل کر سکیں گے۔ شیطان نے بھی کہا کہ یہ رائے بالکل درست ہے، پھر وہ سب آنحضرت ﷺ کے قتل کرنے کا عزم لے کر اٹھے اور مجلس سے منتشر ہو گئے، اسی دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس آیت کریمہ کیساتھ حاضر ہوائے:

اذا یمکر بك الذ ین کفروا یثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ویمکرون و یمکر اللـه و اللـه خیر الماکرین(16)

اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تا کہ آپ کو قید

کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کردیں وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کررہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

علامہ محمد بن یوسف شامی لکھتے ہیں کہ: جب کفار نبی ﷺ کو قتل کرنے کا عزم لے منتشر ہو گئے تو جبرائیل علیہ السلام رسول ﷺ کے پاس آئے اور مذکورہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں عرض گذار ہوئے کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں جس پر آپ پہلے سویا کرتے تھے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے نکلنے کی اجازت دے دی ہے، جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو کفار آپ کے دروازے سے باہر گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ کب آپ سوئیں تو وہ اچانک آپ پر ٹوٹ پڑیں، جب رسول ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ: (17)

اے علی تم میری یہ سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور ہرگز تمہیں کوئی ناگوار بات نہیں چھوئے گی۔

آنحضرت ﷺ حضرت علی کو بستر پر سلا کر باہر آئے آپ ﷺ کی مٹھی میں خاک تھی آپ نے وہ خاک کفار کے سروں پر ڈال دی ان کفار کو کچھ دکھائی نہ دیا اور آپ ﷺ سورۃ یٰسٓ کی چند آیتوں کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکل آئے اور آپ ﷺ نے جہاں چاہا وہاں تشریف لے گئے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو ہجرت کے حکم سے آگاہ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ (18)

یارسول اللہ ﷺ میں آپ کی خدمت میں رہوں گا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو فرمایا کہ:

اچھا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔

حضرت رسول ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے رات کو نکلے اور غار ثور پہنچے، عبداللہ بن ابی بکر روزانہ غار پر آتے تھے اور اہل مکہ کے مشوروں اور حالات سے آگاہ کر جاتے تھے، اسماء بنت ابی بکر روزانہ مکہ سے کھانا لے کر آ جاتی تھی (19)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غار میں حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کافروں کے قدم نظر آنے لگے تو میں نے عرض کیا کہ:

اے نبی پاک ﷺ اگر انہوں نے نیچے جھانک کر دیکھا تو ہمیں دیکھ لینگے۔

یہ سن کر پیارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اے ابوبکر صدیقؓ خاموش رہو کیونکہ ہم دونوں کے ساتھ تیسرا اللہ ہے(20)

حضرت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

الاتنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم (21)

اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اتاری تھی اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اسکی مدد کو فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

ج۔ مقام حدیبیہ اور مکالمے:

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ " آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بحالت امن اپنے سروں کو منڈواتے یا کترواتے ہوئے بیت اللہ شریف میں داخل ہو رہے ہیں "اس خواب کی بنا پر آپ ﷺ مع صحابہ 628 عیسوی کو عمرہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور مقام حدیبیہ جا کر ٹھہرے۔

مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم دونوں حضرات روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال حضرت نبی کریم ﷺ ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر نکلے جب ذوالحلیفہ مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے قربانی کے جانور کو ہار پہنایا، کوہان چیر کر اس کا خون بہایا اور اسی جگہ سے عمرے کا احرام باندھ لیا۔

حریفان اسلام کو جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور یہ طئے کرلیا کہ داعی اسلام اور حامیان ملت بیضاء کو کسی بھی طرح مکہ معظمہ میں داخل

ہونے کا موقع نہیں دیا جائیگا، چنانچہ حضرت رسول ﷺ نے بنی خزاعہ کے ایک شخص بسر بن سفیان کو قریش کی خبر لانے کے لئے بھیجا، جس نے یہ خبر دی کہ:

ان قريشا جمعوالك جموعا وقد معوا لك الا حابيش وهم مقاتلوك وصادوك عن البيت وما نعوك (22)

یقین کیجئے کہ قریش کی بڑی جماعتیں آپ کے لئے جمع ہو رہی ہیں، یہ لوگ آپ سے جنگ کریں گے اور بیت اللہ شریف سے واپس لوٹا دینگے اور آپ کے راستہ میں رکاوٹ ڈالیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

لوگو! مجھے مشورہ دو کہ کیا مجھے کافروں کے اہل وعیال پر یلغار کردینی چاہیئے جو ہمیں بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں، اگر وہ ہم سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے تو خدائے عزوجل ہمارے ساتھ ہے جس نے ہمارے جاسوس کو ان کے شر سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اس وقت ہم انہیں ایسا چھوڑیں گے جیسے لڑائی سے بھاگے ہوئے۔

آپ ﷺ کے مکالمے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے کہ رحمۃ اللہ علیہ

یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے گھروں سے بیت اللہ شریف جانے کا قصد کر کے نکلے ہیں، کسی کو قتل کرنے یا کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے، بس آپ اسی کی جانب قدم بڑھائیں، جو بھی ہمیں روکے گا ہم اس سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکالماتی عرض پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رائے سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اچھا اللہ کا نام لے کر چل پڑو"

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ

کوئی ہے جو ہمیں اس راستے کے علاوہ جس پر کفار ہیں کسی دوسری راہ پر لے چلے۔

یہ سن کر قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں لے چلتا ہوں پس وہ ایک ویران راستے سے لے کر چلا، درمیانی دشوار راستے طئے کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ جب وادی کے اختتام پر ہموار راستے پر پہنچے اور آگے بڑھتے ہوئے جب مقام ثنیۃ المرار پر آپ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ بیٹھ گئی تو

لوگوں نے عرض کیا کہ بلاوجہ آپ یہاں رک گئے ہیں یہ سن کر آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں ازخود یہاں نہیں ٹھرا ہوں اور نہ ہی میری اونٹنی اپنی طبیعت سے ٹھہری ہے بلکہ اس ذات اقدس نے اسے یہاں روکا ہے، جس نے مکہ سے اصحاب فیل کو روک دیا تھا۔ آج قریش اس قطعہ زمیں پر مجبور ہوکر صلہء رحمی کی خواہش کریں گے تو میں ان کی استدعا قبول کرونگا۔

اس مکالمے کے بعد آپ ﷺ مقام ثنیۃ المرار پر ہی ٹھہرے ہوئے تھے کہ بدیل بن ورقہ خزاعی قبیلہء خزاعہ کے چند لوگوں کو ہمراہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کیساتھ مکہ جانے کی خبر گیری کرنے لگے تو آپ ﷺ نے بدیل بن ورقہ کو بتایا کہ:

"میں جنگ کے ارادے سے نہیں آیا بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کیلئے آیا ہوں"۔

مکہ واپس جاکر بدیل بن ورقہ نے قریش کو جب یہ پیغام پہنچایا اور بتایا کہ

اے گروہ قریش تم محمد ﷺ کے متعلق جلدبازی سے کام لیتے ہو، حضرت محمد ﷺ جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ صرف زیارت بیت اللہ کے لئے آئے ہیں۔

قریش کے لوگوں نے بدیل بن ورقہ کو سنا تو اس کے ساتھ طعنہ زنی اور برائی سے پیش آئے اور کہنے لگے کہ:

"اگرچہ وہ جنگ کے ارادہ نہیں رکھتے پھر بھی خدا کی قسم ہمارے شہر میں بلا اجازت کبھی داخل نہ ہوسکیں گے اور اگر ایسا ہوا تو عرب ہم پر زبردستی داخلہ کا قصہ بیاں کرینگے"۔

بدیل بن ورقہ کے بعد اہل مکہ کے قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو حضرت رسول ﷺ کے پاس بھیجا لیکن گفتگو ناکام رہی اور عروہ بن مسعود ثقفی نے بھی قریش کو بتایا کہ اگر جنگ ہوئی تو نتیجہ قریش

کے حق میں نہیں ہوگا مزید اس نے کہا کہ:

"میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، مگر وہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی جو محمد ﷺ کے ساتھیوں کو محمد ﷺ کے ساتھ ہے، محمد ﷺ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے کوئی شخص ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا، وضو کرنے میں جو پانی گرتا ہے اس پر ساتھی ٹوٹ پڑتے ہیں"۔

عیس بن علقمہ جو کہ جوش قبیلہ کا سردار تھا اس کو بھی اہل قریش نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جسے دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

"یہ شخص اس قوم میں سے ہے جو خدا کی عبادت کرتے ہیں، میری قربانی کا جانور اس کے سامنے لاؤ تا کہ وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھے"۔

جب جوش قبیلہ کا سردار آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد مکہ واپس آیا اور قریش کو سنایا تو قریش نے اس کو بھی یوں کہا کہ:

"بیٹھ جاؤ تم ایک دیہاتی آدمی ہو تمہیں کچھ معلوم نہیں ہے یعنی محمد ﷺ نے تجھے دھوکا دے دیا ہے مگر تم اسے نہ سمجھ سکے ہو"۔

اس پر جوش قبیلہ کے سردار عیس بن علقمہ کو قریش پر غصہ آیا اور غصہ میں قریش کے ساتھ مکالمہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ:

"اے گروہ قریش! واللہ ہم نے تم سے اس بات پر معاہدہ کیا تھا اور حلف اٹھایا تھا، کیا ہر شخص جو بیت اللہ کی عظمت و احترام کی وجہ سے اس کی زیارت کو آیا ہوا سے اس سے روکا نہیں جا سکتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہیں محمد ﷺ اور اس کے ارادے کے درمیاں آزادی دینی ہوگی ورنہ میں (جوش سب اپنے قبیلہ) کے آدمیوں کو علیحدہ کرلوں گا"۔

بات یہاں پر ختم نہ ہوئی مگر پھر بھی قریش نے عروہ بن سبیعہ بنت عبدالشمس کو آنحضرت ﷺ کے پاس روانہ کیا، عروہ خدمت میں پہنچا اور کہنا شروع کیا کہ:

"قریش لوگ آپ ﷺ کو ہرگز اپنے شہر میں زبردستی داخل نہیں ہونے دینگے! خدا کی قسم! مجھے یوں نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ کے سب ساتھی کل آپ ﷺ کو

تنہا چھوڑ کر چل دیں گے اور آپ ﷺ اکیلے رہ جائینگے"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اس جملے پر مشتعل ہو کر اس کو گالی دے کر کہا کہ:

"لات کے غلیظ چیتھڑے کو چوسنے والے کیا ہم آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر چل دینگے؟"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ جملہ عروہ کو بہت بڑی گالی تھی کیونکہ انہوں نے تو عروہ کے معبود یعنی لات بت کو عورت قرار دے کر اس کے معبود کی تحقیر کر دی، عرب میں اس قسم کی گالی کا رواج تھا در اصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کو عروہ کا یہ کہنا بڑا ناگوار گزرا تھا کہ حضرت رسول ﷺ کے صحابہ کل آپ ﷺ کو تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائینگے۔

عروہ نے یہ اہانت آمیز جملہ سن کر کہا کہ:

"اے محمد ﷺ یہ کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"یہ ابن ابی قحافہ ہیں"

اس پر عروہ بولا کہ

"واللہ اگر تمہارا مجھ پر احسان نہ ہوتا تو میں اس کا جواب دیتا لیکن احسان کے بدلے میں یہ سن رہا ہوں"۔

عروہ کی گفتگو ختم ہونے پر آنحضرت ﷺ نے پھر وہی فرمایا جو اس سے قبل اس کے دوسرے ساتھیوں سے فرما چکے تھے یعنی آپ ﷺ جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں، پھر عروہ یہاں سے رخصت ہو کر مکہ پہنچا اور آنحضرت ﷺ سے صحابہ کی جو محبت دیکھی اور غیر معمولی احترام کرتے ہوئے دیکھا وہ سب اس نے قریش کے سامنے بیان کر دیا۔ ان سب باتوں کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو بلا کر ابوسفیان اور معززین قریش کے پاس روانہ کیا تا کہ وہ انہیں مطلع کریں کہ: "آنحضرت ﷺ ان سے جنگ کرنے کیلئے نہیں آئے بلکہ وہ صرف بیت اللہ کی تعظیم اور زیارت کرنے کی نیت سے آئے ہیں"، چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ مکہ روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت ابان بن سعید بن عاص کے پاس ٹھہرے بعد ازیں ابوسفیان اور روساء قریش کو مکالمہ کرتے ہوئے

آنحضرت ﷺ کا پیغام پہنچایا، جواباً انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ:

"اگر آپ رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں"۔

مگر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ:

"جب تک آنحضرت ﷺ طواف نہ کرینگے میں اکیلا طواف نہیں کر سکتا"۔

یہ سن کر قریش مکہ نے حضرت عثمانؓ کو اپنے پاس روک لیا اور آنحضرت ﷺ تک یہ افواہ پھیلی کہ

"حضرت عثمان بن عفانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہم اس قوم سے ضرور بدلہ لینگے یعنی ان سے ضرور جنگ کرینگے"۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو بیعت کیلئے بلایا اور یہ بیعت "بیعت رضوان" کے نام سے ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیعت کے لئے بلائیں چونکہ حضرت عثمان غنیؓ موجود نہ تھے اس لئے ان کی زندگی کے مفروضہ پر خود آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے بیعت کی اسطرح کہ اپنا دایاں ہاتھ مبارک اپنے بائیں ہاتھ مبارک پر رکھ کر فرمایا کہ "اے میرے خدا یہ بیعت عثمانؓ کی طرف سے ہے"۔ سورۃ فتح میں اس بیعت کا یوں ذکر آیا ہے کہ:

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبا یعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثا بھم فتحا قریبا ہ ومغانم کثیرۃ یا خذونھا و کان اللہ عزیزا حکیما (24)

حق تعالیٰ ان تمام مومنین سے راضی ہو گیا جو آپ ﷺ کے ساتھ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور جان لیا اس نے جو انہیں کے دلوں میں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے تسکین نازل کی ان پر اور انہیں جلد فتح عطا کی اور بہت سی غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

اسی بیعت سے بڑے دور رس نتائج نکلے اور قریش ایک ایسی صلح پر مجبور ہو گئے جس کی امید نہ تھی۔ قریش نے بنو عامر بن لوئی کے بھائی سہیل بن عمرو کو آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجے

ہوئے یہ ہدایت کی کہ "تم محمد ﷺ کے پاس جا کر ان سے صلح کی گفتگو کرو اور صلح ان باتوں پر ہو کہ: آپ ﷺ اس سال یونہی عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں"، جب سہیل بن عمرو آپ کی طرف آ رہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے دیکھتے ہوئے فرمایا کہ: معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے اس شخص کو صلح کے ارادے سے بھیجا ہے، گفت وشنید کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ایک صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کا متن یہ ہے۔(25)

"دس سال تک ایک دوسرے پر حملہ نہ ہوگا، عمرے کے متعلق یہ طے ہوا کہ سال آئندہ انہی ایام میں مسلمان زیارت بیت اللہ کے لئے آئینگے اور صرف تین دن میں مناسک ادا کر کے واپس چلے جائینگے۔ حدود حرم میں اسلحہ لانے کی اجازت نہیں ہوگی، قبائل عرب میں ہر قبیلے کو یہ اختیار ہوگا خواہ وہ مسلمانوں کے اتحاد میں داخل ہوں یا قریش کے ساتھ رہیں"۔

د۔ فتح مکہ اور مکالمے:

کفار مکہ بڑی مدت تک حضرت رسول ﷺ اور آنحضرت ﷺ کے صحابہ کو ستاتے رہے، ظلم وستم کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو انہوں نے توحید کے پرستاروں پر نہ آزمایا ہو حتیٰ کہ وہ گھر اور وطن تک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ فتح مکہ کے وقت اسلام کے یہ بدترین دشمن مکمل طور پر حضرت رسول ﷺ کے رحم وکرم پر تھے اور آپ ﷺ کا ایک اشارہ ان سب کو خاک وخون میں ملا سکتا تھا لیکن ہوا یہ کہ تمام مشرکین مکہ خوف اور ندامت سے سر نیچے کئے ہوئے آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ (26)

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں"

مشرکین مکہ نے دبی ہوئی آواز میں یہ جواب دیا کہ:

"اے صادق! اے امین! تم ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادے ہو، ہم نے تمہیں ہمیشہ رحم دل پایا ہے"۔

اہل مکہ کے مکالمے کو سن کر حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، یعنی تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم آج سب آزاد ہو"۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کی شان عفو وکرم سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی انتقام نہیں لیا بلکہ دشمنوں کو بھی معاف فرمایا۔

اسلام آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ، سیرت طیبہ، حسن کردار اور شیریں کلام سے بام عروج کو پہنچا اور صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی برقرار رہا اور یہ سب کرم ہے سرکار مدینہ ﷺ کا کہ آج تمام مسلمانان عالم اخوت، محبت، اتحاد، خلوص اور ثابت قدمی سے ایمانی زندگی بسر کرر ہے ہیں اور کرتے رہینگے۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات ابتک بنی ہوئی ہے
میں اس کرم کے کہاں تھا قابل حضور کی بندہ پروری ہے

حواشی وحوالہ جات

(۱) قران مجید، پارہ نمبر 14 سورۃ النحل، آیت نمبر 125

(۲) قران مجید، پارہ نمبر 12، سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 21

(۳) نعیمی، مفتی احمد یار خان: تفسیر نعیمی، پارہ نمبر 4 ال عمران، ایت نمبر 164، گجرات، مکتبہ اسلامیہ صفحہ 341

(۴) نعیمی، مفتی احمد یار خان، مراۃ شرح مشکواۃ، جلد نمبر 8، صحابہ کرام کے فضائل، گجرات، نعیمی کتب خانہ صفحہ 345

(۵) ابوداؤد سلیمان بن اشعث، مترجم: وحید زمان: سنن ابی داؤد، ج3، حدیث 1199، باب 393 لاھور، اسلامی کتب خانہ، صفحہ 342-341

(۶) قرآن مجید، پارہ نمبر 19 سورۃ اشعراء، آیت نمبر 214

(۷) قراں مجید، پارہ نمبر 5 سورۃ النسآء، آیت نمبر 36

(۸) قراں مجید، پارہ نمبر 14 سورۃ النحل، آیت نمبر 51

(۹) علامہ ان خلدون: تاریخ ابن خلدوں، حصہ اول، کراچی، نفیس اکیڈمی، سال 1966ء، ص 46-45

(۱۰) نقوی، سید اعجاز حسین پروفیسر: سیرت مصطفی ﷺ، پاکستان سیالکوٹ، مرکز اثار باقیہ، علی پرنٹنگ سینٹر ڈسکہ سال 2003ء، صفحہ 34-33

(۱۱) محمد عبدالملک ابن ہشام، مترجم: محمود قطب الدین مولوی: سیرت ابن ہشام، حصہ اول، لاہور، اسلامی کتب خانہ، صفحہ 258

(۱۲) ایضاً سیرت ابن ہشام، حصہ اول، صفحہ نمبر 297-294

(۱۳) بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ: بخاری شریف، جلد نمبر 2 کتاب المناقب، حدیث نمبر 1039 لاہور، فرید بک اسٹال، سال 2000ء، صفحہ 467

(۱۴) خان امیر علی، سفیران رسول ﷺ لاہور، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار سال 2004ء صفحہ 97-295

(۱۵) ایضاً سفیران رسول ﷺ صفحہ 297

(۱۶) قرآن مجید، پارہ نمبر ۱۹، سورۃ الانفال، آیت نمبر 30، محمد بن سعد، مترجم، علامہ عبداللہ العمادی: طبقات ابن سعد، حصہ اول، کراچی، نفیس اکیڈمی، سال 1944، صفحہ 237

(۱۷) سعیدی غلام رسول علامہ: تبیان القران، جلد نمبر 4، لاہور، فرید بک اسٹال، سال 2002ء، صفحہ 622-23

(۱۸) دہلوی، شیخ عبدالحق: تاریخ مدینہ، لاہور شبیر برادرز سال 1998ء، صفحہ 84

(۱۹) ابن خلدون: تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، کراچی، نفیس اکیڈمی، سال 1966ء، صفحہ 64

(۲۰) بخاری محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ: بخاری شریف، کتاب المناقب، جلد دوم، لاہور، فرید بک اسٹال، سال 2000ء، صفحہ 505

(۲۱) قرآن مجید، پارہ نمبر 10، پارہ نمبر 10، سورۃ التوبہ، آیت نمبر 40

(۲۲) بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ: بخاری شریف، جلد دوم، ابواب المغازی، غزوہ حدیبیہ، حدیث نمبر 1338، لاہور، فرید بک اسٹال، صفحہ 617

(۲۳) خان، امیر علی، سفیران رسول ﷺ، لاہور، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار، سال 2004 کصفحہ 318

(۲۴) قرآن مجید، پارہ نمبر 26، سورۃ الفتح، آیت 19-18

(۲۵) محمد طفیل: نقوش رسول نمبر، جلد دوم، لاہور، ادارہ فروغ اردو، سال 1982، صفحہ 178، ایضاً علامہ محمد بن سعد، مترجم، علامہ عبداللہ العمادی: طبقات ابن سعد، حصہ اول، کراچی، نفیس اکیڈمی، سال 1944، صفحہ 446

(۲۶) ڈاکٹر محمد عبدالحی: اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، صفحہ 57

یہودیوں سے مکالمہ کی مذہبی بنیادیں

سیرت النبی ﷺ، اسوۂ انبیاء اور کتب مقدسہ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر خادم حسین
ایسوسی ایٹ پروفیسر، وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون سائنس اور ٹیکنالوجی

ABSTRACT

Basics of Religious Dialogue with Jews (Islamic Perspective)

Judaism belogs toBani-Israel (Children of Israel). It is a revealed religion. Quran says God had sent a large number of prophets in Bani-Israel for the true guidance. These prophets called on their people to come to the God and taught them the basics of their religion. On the other hand it is also an established fact that a lot number of prophets were rebuffed by their own people, and a lot more were killed because of their message. Holy Quran has mentioned this fact many a times.

God repeated His message of true divine guidance over and over again for these people and remind them of God's bounties for these people and gave them

the title of Ahl-e-Kitab (People of Book) and asked them to come to the points we shared with each other. This is the very basic of religious dialogue with Jews and a dynamic focal point where religious dialogue with Jews should be started and continued.

The holy Prophet Muhammad at the time of his arrival in Madina signed a pact with other tribes and that pact is now called Messak-e-Madina (The pact of Madina).

This pact is the first written pact of the world. The pact also sets a vision for the world to come. The prophet also extended invitation for the Jews and had a dialogue with them and tried to make them remember the basics of their own religion and asked them to convert in Islam. Some of them accepted the invitation and became Muslim including some of the senior clergy (Kohanims) of the Judaism.

Instead of this Jews remained stanch antagonist of Muslims and even today's world is full of hatred on the basis of religion and ethnic backgrounds between the two.

There are a lot of impediments between Jews and Muslims. The prominent among them is the problem of Palestine. Both of the religions have historical references for the land. Thus it is necessary to talk on this very core issue. Another impediment for a meaningful dialogue between Jews and Muslims is the common sacred geographical heritage.

Besides, it is our religious duty to extend religious appeal to the Jews. On the basis of peaceful co-existence and to eliminate narrow sightedness, violence and intolerance and to promote reconciliation we need to start the process of interfaith dialogue on the basis of Islamic principals.

The sources of this thesis, to mark the importance of this thesis, include life-style of the holy prophet as recorded in books of Hadith ,text of the revealed holy books and Islamic fundamentals.

اسرائیل دو الفاظ کا مجموعہ ہے اسرا بمعنی بندہ یا عبد۔ ایل بمعنی اللہ۔ جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا بندہ۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا، جو اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ انہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسرائیل کو ہی یہود بھی کہتے ہیں۔

یہوداہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب ان کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تو اس خاندان کی

ریاست یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی جبکہ دیگر قبائل نے الگ ریاست قائم کرلی جس کا نام سامریہ پڑا۔ بعدازاں صرف یہوداہ اور اس کے ساتھ بن یمین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہود کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم کا جو ڈھانچہ تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔(۱) قرآن کریم نے دونوں ہی ناموں سے انہیں مخاطب کیا ہے مثلاً: (۲)

آخر الذکر میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے بلکہ وہ غیر اسرائیلی لوگ بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کرلی تھی، وگرنہ عمومی خطاب بنی اسرائیل ہی کا رہا۔

انسانوں کی رشد و ہدایت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے روز اول ہی سے جاری کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان تک انبیاء کا یہ سلسلہ بغیر کسی وقفہ کے جاری رہا۔ کم و بیش ایک لاکھ چالیس ہزار انبیاء کرام دنیا میں آئے جن میں سے ایک سو چار رسول تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے کتب و صحف نازل کئے۔

انبیاء کرام کے اس سلسلے میں جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مقتدر اور جلیل القدر ہستی ہیں، جن کی طرف دنیا کے تین مذاہب یہودیت، نصرانیت اور اسلام اپنی نسبت کرتے ہیں اور انہیں اپنا روحانی و مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو خصوصی مقام و مرتبہ بخشا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ بنی اسرائیل کا معروف سلسلہ بھی انہی کی اولاد میں سے چلا ہے۔

اگرچہ یہود اپنی نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں مگر بنی اسرائیل نے جس پیغمبر کے دور میں اپنی روحانی اور دینی ترقی کی منازل طے کیں اور شریعت و قانون کے حامل ہوئے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، جن پر تورات نازل ہوئی۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی اور دیگر انبیائے کرام پر صحیفے نازل ہوئے۔ یہود بالاتفاق مذکورہ کتب و صحائف کو اپنی دینی کتب مانتے ہیں اور ان کو عہد نامہ قدیم یا عتیق کا نام دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک اور چیز بھی ہے جسے تالمود کا نام دیا جاتا ہے۔ یہود کے دینی ادب میں اس کا بھی اہم مقام ہے۔ ذیل میں ہر دو کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔عہد نامہ قدیم:

عہد نامہ قدیم یا عتیق (پرانا ترجمہ) میں تین قسم کی کتابیں شامل ہیں۔ ا۔اسفار تواریخی، ۲۔اسفار حکمت، ۳۔اسفار نبوت۔

اسفار سفر کی جمع ہے جس کا مطلب ہے کتاب، پہلے حصے میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں۔

خمسہ موسوی:

عہد عتیق کی پہلی پانچ کتابیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، بالعموم توریت یا توراۃ بھی کہتے ہیں۔ یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قانون یا شریعت کے ہیں۔

یہودیت کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے یہ ایک الہامی مذہب ہے بنی اسرائیل میں کثیر تعداد میں انبیاء انسانی رشد وہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اور انہوں نے بنی اسرائیل کو دین کی دعوت دی اور اللہ کی طرف بلایا اور دین کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا، یعنی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل کی کثیر تعداد نے انبیاء کی دعوت کو مسترد کردیا، بلکہ انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرڈالا اس کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اپنے خاص احسان وانعامات بھی یاد دلائے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر مختلف اوقات میں کئے مگر یہ قوم انتہائی احسان فراموش تھی انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اُنہیں اذیتیں پہنچائیں اور انہیں قتل کیا۔

الہامی مذاہب میں اولویت کا شرف حاصل کرنے والی اس قوم کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت وتبلیغ میں بنیادی اہمیت دی اور انہیں قرآن کریم میں اہل کتاب کہہ کر پکارا اور کہا گیا کہ آؤ اس چیز کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہی مکالمے کا بنیادی محرک اور اساس ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آمد کے وقت یہود و اور دیگر اقوام سے ایک تاریخی معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے موسوم ہے۔

یہ دنیا کا پہلا تحریری معاہدہ اور منشور ہے اور ایسے بہت سے نظائر بھی ملتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو دین کی دعوت دی اور ان سے مکالمہ کیا اور انہیں بنی اسرائیل کے انبیاء کی تعلیمات یاد دلائی اور انہیں دین اسلام کی دعوت دی اور ان میں کچھ قبائل نے اسلام قبول کیا جن میں کچھ

یہودی علماء بھی شامل تھے۔

مگر اس کے باوجود یہود مسلم دشمنی میں ہمیشہ آگے ہی رہے آج بھی دنیا میں مذہبی اور نسلی بنیادوں پر بدامنی کے اثرات نمایاں ہے۔

دور حاضر میں مسلمانوں اور یہودیوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں بے شمار رکاوٹیں اور محرکات ہیں ان میں سب سے اہم مسئلہ، مسئلہ فلسطین ہے اس سے مسلمان اور یہودی دونوں مذہبی اور تاریخی وابستگیاں رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے ہم اپنے مقالہ میں بنیادی موضوع کے تناظر میں اس پر گفتگو کریں گے۔

ایک دوسری رکاوٹ جو مسلمانوں اور یہودیوں میں مکالمے میں رکاوٹ کا سبب ہے وہ درحقیقت دونوں مذاہب کے ماننے والوں کا تاریخی پس منظر ہے۔

یہودیوں کو دین کی دعوت دینا اور انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ہمارا دینی اور ملی فریضہ ہے ان تمام وجوہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے پرامن بقائے باہمی کی بنیاد پر مذہبی تعلیمات تنگ نظری اور بدامنی عدم رواداری کے خاتمے کے لئے اور مفاہمت کے فروغ کے لئے مکالمے کی راہ اپنانا دور حاضر کا تقاضہ اور اسلامی تعلیمات کی اہم بنیاد ہے۔

مذکورہ بالا موضوع پر بنیادی مصادر ومراجع، اسوہ نبوی، الہامی مذاہب کی کتب مقدسہ اور اسلامی نظائر کو بنیاد بنا کر موضوع کی اہمیت کو اُجاگر کیا جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک کا نام اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے کا نام الحق علیہ السلام تھا حضرت اسحٰق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک کا نام عیسو اور دوسرے کا نام یعقوب تھا، یعقوب کو بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے چار شادیاں کیں ان سے بارہ بیٹے تھے، بڑے بیٹے کا نام یہودہ تھا، جو ملک فلسطین میں آباد ہوا ان کی نسل یہودی کہلائی۔

درحقیقت یہودی وہی ہوتا ہے جو یہودی ماں کے بطن سے پیدا ہو تمام یہودی نسلی لحاظ سے بنی اسرائیل ہیں لیکن تمام بنی اسرائیل یہودی نہیں ہیں گو بعد کے زمانے میں یہود اور بنی اسرائیل ہم معانی الفاظ استعمال ہونے لگے، لہٰذا عرف عام میں بنی اسرائیل کو یہود سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ (۴)

تاریخ مذاہب میں یہودی مذہب کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہی پہلا الہامی مذہب

ہے، جس کے ذریعے دنیا توحید سے آشنا ہوئی یہودیوں نے کثرت پرستی سے وحدت پرستی تک تمام مراحل طے کئے اور شرک پرستی سے دنیا کو بچانے کے لئے جدوجہد کی اور خالص توحید کے علمبردار بن کے ابھرے جب تک وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پیغام اور توحید کے نظریے پر کاربند رہے۔(۴)

بنی اسرائیل اپنے وقت کے مسلم تھے ان کے باپ نے مرتے وقت انہیں وصیت کی تھی کہ:

ولاتموتن الاوانتم مسلمون

صرف اسی حالت میں مرنا کے تم مسلم ہو۔

اور یہ رہے بھی مسلم مگر ان کی نسل جیسے جیسے آگے بڑھتی اور پھیلتی گئی حالات اور زمانے کے اثرات سے متاثر ہوتے گئے یہ اپنے خودساختہ افکار و نظریات اور چند رسمی امور پر عمل پیرا ہونے کے بعد بنی اسرائیل مسلمانی چھوڑ کر صرف یہودی بن گئے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں ان کو ناراضگی سے آواز دی:

یا ایھاالذین ھادو

اے لوگوں! جو یہودی بن گئے ہو۔

کہہ کر پکارا، یعنی یہودی نہیں تھے، تم تو مسلم تھے اب فقط یہودی رہ گئے ہو۔ یہودی آغاز ہی سے نسل پرستی کی طرف راغب تھے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف یہودی وہ قوم ہے جو نسلی امتیاز اور نسلی تعصب میں منفرد مقام رکھتے ہیں نسلی برتری کا احساس انہیں ہمیشہ سے رہا ہے اور نسلی برتری کے جنون میں یہ الہامی تعلیمات سے دور ہوئے۔(۵)

تمام الہامی مذاہب میں خدا کا تصور موجود ہے اور اس کی توحید پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اس لئے عیسائی یہودی اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں، اگرچہ اکثر جگہ بعد کے اضافوں اور ترمیموں کی بنا پر یہ عقیدہ کمزور پڑ گیا۔ مثال کے طور پر عیسائیوں میں ابتداء میں ایک خدا کی وحدانیت کا تصور موجود تھا لیکن بعد میں تین خداؤں کا تصور پیدا ہو گیا۔ اسلام کے علاوہ توحید خالص کی تعلیم یہودی مذہب میں ملتی تھی۔(۶)

یہودیوں کا یہ دعویٰ کے وہ خدا کے منتخب اور چہیتے بندے ہیں اور خدا ان سے خصوصی نوعیت کا تعلق رکھتا ہے وہ اس پر غرور اور فخر بھی کرتے ہیں اسی وجہ سے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے سے کمتر اور ذلیل تصور کرتے ہیں، یہود کا محبوب ہونے کا دعویٰ اگرچہ بالکل غلط اور بے بنیاد

بھی نہیں خود قرآن نے کئی مقامات پر بنی اسرائیل کی فضیلت کا ذکر کیا ہے ارشاد ربانی ہے: ''اے بنی اسرائیل ذرا میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور یہ کے میں نے تمہیں پوری دنیا پر فضیلت بخشی تھی۔(۷)

بنی اسرائیل کی اس فضیلت کی وجہ کوئی نسلی امتیاز نہ تھا بلکہ فضیلت کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسلام کی دعوت ساری دنیا تک پہنچانے اور قائم کرنے کی ذمہ داری ان پر تھی جب بنی اسرائیل نے ذمہ داری سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس منصب فضیلت سے محروم کر دیا اور وہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگے قبطیوں نے انہیں اپنا غلام بنالیا اور وہ ایک طویل عرصے تک غلامانہ زندگی بسر کرتے رہے اس غلامانہ انحطاط کے دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے آپ کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریبا ۱۳۰۰ سو سال پہلے کا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل نے بغاوت کی اور مصر سے ہجرت کر کے جزیرہ نمائے سینا کی طرف آئے کوہ سینا ہی میں تورات کے بیشتر احکام نازل ہوئے ایک طویل عرصے تک خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے فلسطین پر قبضہ اور اپنی حکومت قائم کی یہ حکومت قلیل رقبے پر تھی آبادی زیادہ نہ تھی لیکن ہر حیثیت سے برتر اور بہت دولتمند تھی۔

یہودیوں کی ساری تاریخ عروج و زوال کی تاریخ ہے یہ عروج و زوال مادی بھی تھی اور روحانی بھی جب انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کا مذاق اڑایا اور انہیں جھٹلایا بلکہ انہیں قتل تک کیا تو انہیں زوال ہوا اور وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔(۸)

ہم دیکھتے ہیں کہ الہامی مذہب اور الہامی تعلیمات سے وابستگی کی بنیاد پر مسلمان اور یہودیوں کے عقائد میں کافی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے ایک یہودی فلسفی موسیٰ بن مسیون نے یہودی عقائد کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ ایک یہودی وجود خداوندی پر ایمان رکھتا ہے اس کی وحدت پر ایمان، اس کے دائم ہونے پر ایمان اس کے غیر مادی ہونے کا تصور اس پر ایمان کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے پیغمبر پر ایمان خدا علیم وخبیر ہے، یوم آخرت کی جزاء اور سزا پر ایمان مسیح کے آنے پر ایمان، مردوں کے جلانے پر ایمان۔(۹)

یہ عقائد یہودیوں سے مکالمہ کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں اس لئے نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کو دعوت دی آؤ اس کلمے کے طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترکہ ہے ارشاد

ربانی ہے (اے نبی) کہو اے اہل کتاب: آ ءو ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔اس کا مطلب ہے کہ ایک ایسے عقیدے پر ہم سے اتفاق کرلو کہ جس پر ہم ایمان لائے ہیں اور جس کے صحیح ہونے سے تم بھی انکارنہیں کرسکتے اور تمہارے اپنے انبیاء سے یہی عقیدہ منقول ہے اور تمہاری اپنی کتب مقدسہ میں اس کی تعلیم موجود ہے۔(۱۰)

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد یہود مدینہ سے معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حضور ﷺ نے مدینہ کے یہود کو معاشرتی، سیاسی اور مذہبی آزادی دی مگر اس کے برعکس یہود نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں اور پیغمبر اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی بلکہ رسول اللہ ﷺ کو جان سے مارنے کی کئی بار کوشش کی اور دل سے حضور ﷺ کا احترام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا (یہود اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہونگے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو صاف کہہ دو راستہ بس وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے)۔(۱۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ مسلمانوں سے کسی صورت میں راضی اور خوش نہیں ہوسکتے جب تک مسلمان بھی ان جیسا طرزعمل اختیار نہ کرلیں جو خود ان کا اپنا شیوہ ہے، امت مسلمہ جتنی کوشش کرلے کسی صورت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جب تک مسلمان اپنے آپ کو عسکری، معاشی اور اخلاقی طور پر ان سے بہتر ثابت نہ کردیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود اور مشرکین کے حوالے سے فرمایا کہ تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔(۱۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ اور پیغمبر کو ماننے والے ہوتے جو پیغمبر پر نازل ہوئی تھی تو کبھی بھی اہل ایمان کے مقابلے میں کافروں کو اپنا دوست نہ بناتے۔(۱۳)

یہودی عجیب قسم کے اہل کتاب ہیں کہ توحید اور شرک کی جنگ میں مشرکین کا ساتھ دے رہے ہیں، اقرار نبوت اور انکار نبوت کی لڑائی میں ان کی ہمدردیاں منکرین نبوت کے ساتھ ہیں اور بلا کسی شرم و حیا کے یہ دعویٰ رکھتے ہین کہ ہم اللہ، پیغمبروں اور الہامی کتابوں کے ماننے والے ہیں۔(۱۴)

یہود دشمنی کے باوجود پیغمبر اسلام جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے یہود کے ساتھ معاہدہ کیا، جس سے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ یہود کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات مضبوط ہوں، آپ ﷺ نے دوسرے قبائل کو بھی اس معاہدے میں شامل کیا اس معاہدے کی شرائط سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ یہود سے مکالمے کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

معاہدے کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا طریقہ جو پہلے سے چلا آ رہا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

۲۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ یہود اور مسلمان ہمیشہ دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴۔ یہود یا مسلمانوں کی کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶۔ مدینے پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق دفاع میں شریک ہوں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر کوئی فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔ (۱۵)

یہ معاہدہ مکالمہ بین المذاہب کی راہیں کھولتا ہے جس سے مسلمان اور دوسرے مذہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں،

اس مکالمے کی بدولت معاشرے میں امن وسلامتی قائم کرنے اور دہشت گردی سے محفوظ رکھنے اور دنیا کے تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی مذہب اور عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں بالخصوص اہل کتاب یہود ونصاریٰ کو مسلمانوں کے قریب لایا جاسکتا ہے اور مذاہب میں مشترک انسانی اقدار اخلاقیات رواداری کو عیاں کیا جاسکتا ہے اور اس کی بدولت انہیں اس بات پر قائل کیا جائے کہ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق دنیا کے تمام انسانوں کو اپنے عقائد پر عمل پیرا ہونے کی آزادی ہونے چاہیئے، اور کسی کو بھی دوسرے کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ سب اقوام ایک دوسرے کا احترام کریں، اسی صورت میں ہم غربت، افلاس، جہالت اور جنگوں کی تباہ کاریوں سے اپنے آپ کو محفوظ بناسکتے ہیں، اور مذہبی تصادم سے بچ سکتے ہیں، اسی نظریہ کو اپنانا ہوگا کہ اپنے عقیدے کو مت چھوڑو اور دوسرے کے عقیدے کو مت چھیڑو۔

مصادر و مراجع:

۱۔ رابرٹ، وین ڈی ویئر، یہودیت تاریخ، عقائد، فلسفہ، لاہور، بک ہوم ۲۰۰۶ء، ص ۹

۲۔ یہوداہ کے حالات کے لئے دیکھئے: کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہدنامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور ۱۹۹۰ء، کتاب پیدائش، باب ۳۵، ۳۶، ۳۷ نیز یہودیت کے نام سے کیتھولک بائبل میں کتاب بھی ہے، ملاحظہ ہو کلام مقدس کا عہد عتیق و جدید، ۱۹۵۸ء کی کتاب یہودیت، ص ۶۰۵

يَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ (سورہ بقرہ، آیت ۴۷)

اور ...... إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ (سورہ بقرہ، آیت ۶۲)

۳۔ غلام رسول چوہدری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور علمی کتب خانہ سن نامعلوم، ص ۳۳۵

۴۔ رشید احمد، تاریخ مذاہب، کوئٹہ ذمر پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۶۲

۵۔ پاریکھ، عبدالکریم، مولانا، قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں، کراچی مجلس نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء ص ۱۷

۶۔ خورشید احمد پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، ۱۹۹۲ء، ص ۵۸

۷۔ القرآن، سورہ بقرہ، آیت ۴۷

۸۔ خورشید احمد پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، ص ۵۹

۹۔ حوالہ سابقہ، ص ۶۰

۱۰۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا تفہیم القرآن، ج اول، لاہور مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۱ء،

ص۲۶۲

۱۱۔ حوالہ سابقہ، ص۱۰۶

۱۲۔ القرآن، سورہ المائدہ، آیت۸۲

۱۳۔ حوالہ بالا، آیت۸۱

۱۴۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، جلد اول، ص ۴۹۷، ۴۹۸

۱۵۔ شبلی نعمانی، علامہ و سید سلیمان ندوی، سیرت النبی جلد اول، کراچی، دارالاشاعت، ص۱۸۵، ۱۸۶

کتابیات:

۱۔ ویرا رابرٹ وین ڈی: یہودیت تاریخ، عقائد، فلسفہ، لاہور، بک ہوم، ۲۰۰۶ء

۲۔ پاریکھ، مولانا، عبدالکریم، قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں کراچی مجلس نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء

۳۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، جلد اول، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۱ء

۴۔ رشید احمد، تاریخ مذاہب، کوئٹہ، زمرد پبلی کیشنز ۲۰۰۹ء

۵۔ ابو طاہر، محمد صدیق، مولانا مذاہب عالم کا جامع انسائیکلو پیڈیا، کراچی، ادارۃ القرآن، ۲۰۰۶ء

۶۔ رشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، جامعہ کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف، ۱۹۹۲ء

۷۔ غلام رسول چوہدری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتاب خانہ سن نامعلوم

۸۔ مولانا، شبلی نعمانی، علامہ و سید سلیمان ندوی، سیرت النبی اول، دوم، کراچی، دارالاشاعت

عیسائیوں سے مکالمے کی مذہبی بنیادیں سیرۃ النبی ﷺ اسوہ انبیاء علیہم السلام اور کتب مقدسہ کی روشنی میں

محترمہ ذرینہ قاضی
گورنمنٹ ہائی سیکنڈری اسکول، پنو عاقل

ABSTRACT

In this research paper, I have to try to describe some ideas, to clear how we heave had dialogue with christinity according to the teaching of Quran and life of Muhammad (ﷺ).

As we believe this God has sent the prophets for the guidence of humankind with a guide. This service stands from Adam and ends to Muhammad(ﷺ).

Dialogue: Conversation of two or more people on an agenda, which ends on a solution in humanity man in diffrent ages has used this type of method to propagate his ideas with the others.

Imprtants of Dilogue:

Dilogue is one of the best sources to convey some one or argue with other, to share ideas and feelings.

Qualities of Dialogue:

The dialogue shold be done with great care of using soft words with positive mind, in a very smooth and beautiful atmosphere. Bimatual

respect is an important quality of the dialogue.

Religious bases of Christinity:

Need of dialogue is an important tool for the solution of religious affairs. Every religion tolerates to the other in the both religious some beliefs or common such as birth of Sydna Essa (A.S) and belief in antichrists etc.

Dilogue is best to create peace and harmony in the world, to save the humanity from terrorism, to inhance atmosphere of confidence and trust etc.

اللحمد للہ رب العٰلمین والعاقبة للمتقین والصلاة والسلام

علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

وبعد: قال اللہ تبارك وتعالیٰ : کان الناس امة واحدة فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معهم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفو فیه (1) وقال اللہ تبارك وتعالیٰ قل هٰذہٖ سبیلی ادعوآ الیٰ اللہ علیٰ بصیرة انا ومن اتبعنی(2) وقال اللہ تعالیٰ :قل یا اهل الکتٰب تعالواالیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا للہولا نشرك به شینا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ(3)

کہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

محمد عربی رحمۃ للعالمین محسن انسانیت رؤف ورحیم ،رہنمائے کاروان انسانیت ،خیر البشر ،صاحب خلق عظیم ،معلم کتاب وحکمت ،خاتم المرسلین ،ہادیء اکرم ۔پیغمبر اعظم ،مینار نور جمال الاولین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ وہ واحد منبع ہے، جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور قیامت تک رواں دواں رہیں گے ۔رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکت پر کروڑوں درود وسلام ۔رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور ان کا لایا ہوا نظام دنیا کے لیے راہ ہدایت ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ دور جدید میں جب انسانیت گمراہی اور پستی کے راستے پر جاری ہے ۔امن ختم ہو چکا ہے انسان انسان کا دشمن ہو چکا ہے اس وقت اس بات کی بیحد ضرورت ہے کہ رسول اللہ و کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے راستے کی طرف بلائیں اور انہیں حق و باطل میں تمیز کرنا سکھائیں ۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے قران کریم میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنایا گیا ہے ۔(۴) حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان اجتماعی اور معاشرتی زندگی بسر کرے اور بنی نوع انسان سے استفادہ بھی کرے اور انہیں فائدہ بھی پہنچائے اور دوسروں کے علوم وفنون سے رہنمائی بھی حاصل کرے ۔اور اپنے فکر ونظر کے چراغ روشن کر کے شبستان وجود کو منور بھی کرے ۔کیونکہ رسول اکرم ﷺ کسی ایک قبیلے یا گروہ یا علاقہ کی طرف نہیں مبعوث ہوئے تھے بلکہ اللہ رب العزت انسانوں کے خالق کی طرف سے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر مبعوث کیے گئے ۔یہی سبب تھا کہ آپ ﷺ نے تمام دنیا کو اسلام کی طرف دعوت دی اور تمام ممالک کے حکمرانوں سے خطوط اور وفود کے توسط سے مکالمہ کیا انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔

مقالہ کا منہج واسلوب:

مذکورہ چند تمہیدی سطور کے بعد ہم زیر نظر مقالہ کے منہج واسلوب پر روشنی ڈالتے ہیں ۔مقالہ کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔مکالمہ کیا ہے؟ اس کی تعریف ۔

۲۔مکالمہ کی خصوصیات ۔

۳ مکالمہ کی اہمیت ۔

۴۔ مکالمہ کی مذہبی بنیادیں۔
۵۔ عیسائیوں سے مکالمہ کی مذہبی بنیادیں۔
۶۔ عیسائیت اور اسلام میں دینی مفاہمت۔
۷۔ عیسائیوں سے مکالمہ کے فوائد۔
۸۔ عیسائیوں سے مکالمہ کو مؤثر بنانے کی تجاویز۔

ا۔ مکالمہ کیا ہے:

اللہ عزوجل نے انسان کو حیوان ناطق بنایا اور اس کو قوت گویائی جیسی بڑی نعمت سے نوزا۔ اسی نعمت سے انسانی زندگی کے بڑے حصے کا تعلق ہے۔ اس کے ذریعے ہی انسان حقوق اللہ حقوق العباد اور دعوت وتبلیغ کا کام سرانجام دیتا ہے۔

تعریف:

مکالمہ بات چیت کا دوسرا نام ہے جس میں کسی موضوع پر بغیر کسی تعصب کے اصلاح کے لیے بات کی جائے۔ جن دو اشخاص یا دو گروہوں کے درمیان مکالمہ ہو وہ علمی لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ تاکہ اونچ نیچ یا لاعلمی کا سوال پیدا نہ ہو۔ اس کی تعریف ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب نے اپنی کتاب مکالمہ اتحاد بین المذاہب میں کچھ اس طرح کی ہے کہ: ''مکالمہ بات چیت کی وہ قسم ہے جو دو اشخاص یا دو ٹیموں کے درمیاں ہوتا ہے۔ اس میں باتوں کا تبادلہ فریقین کی برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کسی ایک کو فوقیت نہیں ہوتی اس میں سکون واطمینان کی فضا ہوتی ہے جھگڑے وعناد سے دور رہ کر تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ ایسی گفتگو مطالعہ کے دوران دوستوں یا کام کرنے والے دو اشخاص کے درمیان کام کرتے ہوئے یا کسی محفل یا رتجگا کے شرکاء کے درمیان ہوتی ہے۔'' (۵) جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں بھی جدال یعنی جھگڑا کرنے سے روکا گیا ہے بلکہ احسن طریقے سے گفتگو کرنے کا حکم آیا ہے اور یہ بھی حکم کیا ہے کہ اللہ کی کتاب کے علم کے کے بغیر ایک دوسرے سے نہ لڑو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدًی ولا

کتاب المنیر (۲)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کسی علم اور ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے
بغیر اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔

مکالمہ کی اہمیت:

قران کریم میں کلمہ محاورہ (گفتگو) کے الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں جن میں تبادلہ خیال اور دو فریقوں کے درمیان گفتگو کا مفہوم پایا جاتا ہے۔(۷)

مکالمہ ایک ایسا عمل ہے جس میں کسی نصب العین کی طرف اخلاص سے بلایا جاتا ہے، اس نصب العین سے اختلاف و انحراف کے نقصانات اور خطرات سے ڈرایا جاتا ہے اور غفلت و نسیان کے پردوں کو چاک کر کے اصل نصب العین کو یاد دلانے کے لیے نصیحت کی جاتی ہے۔ یہ ایمان والوں کے دلوں میں سچائی کا وہ جوش ہے جو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ تاوقتیکہ وہ انکے عقیدے سے اور قول و فعل سے اپنے تئیں ظاہر نہیں کرنے دیتا اور ان کو اس وقت تک اطمینان نصیب نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ اپنا پیغام ہر فرد بشر تک نہ پہنچادیں اور تمام بنی نوع انسان اس چیز کو تسلیم نہ کرلے جسے وہ برحق یقین کرتے ہیں۔ قرآن پاک نے مکالمہ کی صحیح اہمیت اور اس کے اصول وضوابط پر مفصل بحث کی ہے۔ حضور ﷺ نے مکالمہ کے تمام پہلوؤں پر عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ آپ ﷺ نے تبلیغ کے دونوں دوائر میں کام کی نوعیت و اہمیت کا تفصیلی جائزہ لیا اور احکام صادر فرمائے۔ آپ ﷺ نے اوّلیں طور پر یہ کام کیا کہ دنیا کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی ایک سطح پر لا کھڑا کیا اور اللہ کے پیغام کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے مکالمہ کے لیے قریش و غیر قریش، حجاز و یمن، عرب و عجم اور ہند و روم کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان اور ہر گوشے میں صدائے الٰہی کو پہنچانا فرض قرار دیا، البتہ عملی سہولت کے لیے ایک ترتیب ملحوظ رکھی۔ قرآنِ پاک میں مکالمہ کے ضمن میں دو طرح کے ارشادات ہیں۔ ایک وہ جن میں فریضۂ تبلیغ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسرے وہ جن میں ترتیب کار کو بیان کیا گیا ہے۔ مکالماتی مشن کے لیے قرآنِ پاک نے مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں، مثلاً تبلیغ، تبشیر، انذار اور تذکیر وغیرہ۔ قرآنِ مجید میں آپ ﷺ کی مساعی کو انہیں اصطلاحوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر پیامِ الٰہی لوگوں تک پہنچائیں، اگر ایسا نہ کیا تو رسالت کا

فرض انجام نہیں دیا۔(۸)

یایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته و الله یعصمك من الناس۔(۹)

''اے اللہ کے پیغام پہنچانے والے آپؐ کے پروردگار کے پاس سے جو کچھ آپؐ کی طرف اُترا ہے اس کو پہنچاؤ اگر آپﷺ نے ایسا نہیں کیا تو آپﷺ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور آپﷺ کو اللہ لوگوں سے بچالے گا۔''

یٰایھاالنبی انا ارسلنٰك شاھداو مبشرا و نذیرا۔ (۱۰)

''اے پیغمبرﷺ ہم نے آپﷺ کو گواہی دینے والا، اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

''لوگوں کو نصیحت کریں اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔''

وذکرفان الذکرٰی تنفع المومنین۔ (۱۱)

''اور نصیحت کر کہ نصیحت اہلِ ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔''

حضورﷺ کے ارشادات میں مکالمہ کی بڑی اہمیت آئی ہے اور آپ نے اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے پر بڑا زور دیا ہے، صحابہ کرامؓ اور تمام امت کو مکالمہ کا حکم دیا ہے، صحابہ کرامؓ کو تبلیغ کی غرض سے دور دراز علاقوں میں بھیجا، اور فرمایا

بلغوا عنی ولوآیہ۔ (۱۲)

مجھ سے (تم جو بات سنو) وہ دوسروں تک پہنچاؤ چاہے وہ ایک آیت ہو۔

ان آیات اور احادیث سے مکالمہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو مکالمہ کا حکم دیا اور حضورﷺ اس کی افادیت پر زور دیتے ہیں اور اسے ایمان کی علامت قرار دیتے ہیں۔ آپﷺ نے مکالمہ کے دونوں دوائر کو ملحوظ رکھا اور اپنی امت کے لیے لازم قرار دیا کہ وہ تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھیں آپﷺ نے مختلف طریقوں سے مکالمہ کیا جن میں وفود کا مختلف حکرانوں کی طرف بھیجنا اور ان کی طرف خطوط بھیجنا وغیرہ۔ مکالمہ کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ لوگ آپس میں بات چیت کریں گے تو ان کے درمیان رنجشیں ختم ہو جائیں گی ،اور ناخوشگواری کے

امکانات کم ہو جائیں گے۔

مکالمہ کی خصوصیات:

مکالمہ جن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے قران نے خود اس کا اسلوب بتا دیا کہ لوگوں کو کس طرح دین کی طرف بلاؤ اور ان سے مکالمہ کس طرح کرو اللہ پاک نے ان الفاظ میں حکم فرما دیا کہ

اُدع الیٰ سبیل ربك بالحکمته والموعظة الحسنة و جادلهم بالّتی هی احسن ان ربك هو اعلم بمن ضلّ عن سبیله وهواعلم بالمهتدین۔(۱۳)

''اے پیغمبر!(ﷺ) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو، جو اس کے راستے سے بھٹک گیا، تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔''

بقول سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے: عقل وحکمت، موعظ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن مسلمان متکلمین نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں، یعنی ایک تو برہانیات جن میں یقینی مقدمات کے ذریعے سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلیں لائی جاتی ہیں۔ دوسرے خطابیات جن میں مقبول اور مؤثر اور دل پذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے اور تیسرے جدلیات جن میں مقبول عام اقوال اور فریقین کے مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت، دوسرے کو موعظت حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔(۱۴)

مکالمے کا مقصد دوسروں کو شکست دینا نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق سیکھنے اور تفہیم حاصل کرنے

سے ہے۔قرآن اس پر اصرار کرتا ہے کہ کہ دنیا کا حسن اس کے تنوع میں ہے، بصورت دیگر خدا نے اس کو ایسا بنایا ہی نہ ہوتا۔

ولوشاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا افانت تكره الناس حتي ليكونو مومنين۔ (۱۵)

اگر تمہارا رب چاہتا تو تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے۔کیا آپ لوگوں کو زبردستی کرسکتے ہیں کہ وہ سب ایمان لے آئیں۔آگے قرآن کہتا ہے کہ:

يا ايها الناس انا خلقنا كم من ذكر و انثیٰ وجعلنٰكم شعوبا وقبائل لتعارفوا (۱۶)

اے انسانو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت میں سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

حکمت اور دانائی سے مکالمہ کیا جائے :

قرآنی نقطۂ نظر سے ''حکمت'' تبلیغی طریقۂ کار میں اولین اہمیت کی حامل ہے۔حکمت کا مطلب ہے کہ بیوقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع ومحل کو دیکھ کر بات کی جائے ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے، جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے تو اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل ودماغ کی گہرائیوں سے اس مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔(۱۷)

مکالمہ بلاشبہ ایک سچے جذبے اور حقیقی لگن کی متقاضی ہے، لیکن جوش وجنون میں موقع اور محل کا لحاظ نہ کرنا سخت مضر ہے۔مثلاً ایک داعی حق کو ان تمام اوقات میں دعوتِ حق سے بچنا چاہیے جب مخاطب اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہو۔نہ صرف اس حالت میں بلکہ دعوت پیش کرنے کے بعد بھی مخاطب پر اعتراض، نکتہ چینی کا دورہ پڑ جائے تو داعی کو چاہیے کہ بحث کو بڑھانے کے بجائے اس کو ختم کر کے وہاں سے ہٹ جائے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے۔(۱۸)

عن عكرمه انّ ابن عباسؓ قال: حدث الناس كلّ جمعه مرّه

فان ابیت فمرتین فان اکثرت فثلاث فلا تملّ الناس هٰذالقرآن ولا اُلفینّك تاتی القوم وهم فی حدیث من حدیثهم فتقصّ علیهم فتملّهم ولکن انصتُ فاذا امروُك فحدثهم وهم یشتهُونه (۱۹)

''عکرمہ سے روایت ہے ابنِ عباسؓ نے کہا کہ لوگوں کو جمعہ جمعہ وعظ کیا کرو۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو ہفتہ میں دوبار، اگر اس سے بھی زیادہ کرنا چاہو تو تین بار اور لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کرو ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم لوگوں کے پاس ایسے وقت میں آؤ جب وہ اپنی کسی اور دلچسپی میں ہوں اور اس وقت ان کو وعظ سنانا شروع کر دو اور اس کا نتیجہ بیزاری ہے۔ ایسے موقع پر خاموش رہو یہاں تک کہ لوگ تم سے خواہش کریں تو ان کو سناؤ تا کہ تمہارا وعظ رغبت سے سنیں۔''

آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے متعین کیا اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

یسّرا ولا تعسر او بشر اولا تنفّرا۔ (۲۰)

''دینِ الٰہی کو آسان کر کے پیش کرو، سخت بنا کر نہیں۔ لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔''

حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

انك تاتی قوماً من اهل کتٰب فاذا جئتهم فادعهم الٰی ان یشهدو ان لاالٰهَ الاّاللّٰه وان محمد رسول اللّٰه ﷺ فان هُم اطاعوالك فاخبر هم ان اللّٰه قد فرض علیکم خمس صلٰوت فی کُلّ یوم و لیلة فان هم اطاعوالك بذلك فاخبر هم انّ اللّٰه قد فرض علیهم صدقة تو خذُ من اغنیآئهم فترد علٰی فُقرآءِ هم فان هم اطاعوا بذلك و کرائم اموالهم و اتّق دعوةّ المظلوم فانهُ لیس بینها و بین اللّٰه حجاب۔ (۲۱)

''تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے تو ان کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے رسول ہیں۔ جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں اور جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دلایا جائے اور جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں چن چن کر ان کے بڑھیا مال کو نہ لینا اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔''

گزشتہ بحث سے یہ بات عیاں ہوگئی ہوگی کہ مکالمہ جب مخالف مذہب سے کیا جائے اور او وہ حق بات کو مان لیں تو دین کے احکامات ان پر ایک دم لاگو نہ کیے جائین بلکہ رفتہ رفتہ انہیں دینی احکامات سے روشناس کرایا جائے۔

مخاطب کی نفسیات کو سمجھ کر مکالمہ کیا جائے :

حکمت مکالمہ کے لیے دوسری اہم بات جسے متکلم کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے وہ مخاطب کی استعداد اور نفسی کیفیات ہیں۔ مثلاً عام مخاطب کی ذہنی استعداد کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے منطقی استدلال اور فلسفیانہ بحثیں شروع کردی جائیں یا کسی دانشور سے گفتگو کرتے ہوئے بے رنگ اور بے ڈھب اندازِ گفتگو اختیار نہ کیا جائے، بلکہ لوگوں سے ان کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کی جائے۔ دعوتِ حق کے بعض مشکل تقاضے ہوتے ہیں اور بعض سہل۔ داعی کو آغاز ہی میں وہ تمام باتیں بیان کرنی چاہئیں جن سے اکتاہٹ اور تنفر پیدا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

یسروا ولا تعسروا ولا تنفّرو۔ (۲۲)

'آسانی پیدا کرو تنگی نہیں، خوشخبری دو لوگوں میں نفرت نہ پھیلاؤ۔''

تبلیغ کے جوش میں یہ بات بھی جائز نہیں کہ آدمی جس مجلس میں چاہے چلا جائے اور کوئی بات سننے کے لیے تیار بھی نہ ہو اور وہ اپنی بات سنانے کے لیے بضد ہو۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ:

ولا الفینك تاتی القوم وهم فی حدیثهم فتقص علیهم ولا کن انصت فاذا امروك فحدثهم وهم یشتهو نه۔ (۲۳)

''میں تم کو اس حال میں نہ دیکھوں کہ تم کسی جماعت کے پاس جاؤ اور وہ اپنے کسی اور کام میں مشغول ہوں اور اس حالت میں تم ان کو اپنا واعظ سنانا شروع کردو، بلکہ تمہیں چاہیے کہ خاموش رہو جب لوگ فرمائش کریں تو ان کو سناؤ۔''

مکالمہ میں یہ بات بھی حکمت کے خلاف ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو لوگوں کے لیے بوجھ بن جائے۔ اور لوگ بات سمجھنے کے بجائے اس سے بھاگنے لگیں۔ اس لیے مکالمہ آسان فہم اور خوامخواہ کی طوالت سے پاک ہو اور جس موضوع پر بات ہو رہی ہو اس پر مختصر و جامع الفاظ میں مکالمہ کیا جائے۔ ابو وائلؓ سے روایت ہے کہ:

عن ابی وائل قال: کان عبداللہ بن مسعود یذکروناس فی کل خمیس فقال لهُ رجل: یا اباعبدالرحمٰن لوددت انك ذکرتنا کل یوم قال: اما انّه یمنعنی من ذالك انی اکرهُ ان املکم و انی اتخولکم باالموعظه کما کان رسول اللہﷺ یتخولنا بهامخاف تسامته علیند (۲۴)

''ابو وائل سے روایت ہے کہ: عبداللہ بن مسعود لوگوں کو ہر جمعرات واعظ سنایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا اے ابوعبدالرحمٰن مری خواہش ہے کہ آپ روزانہ وعظ کیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ میں ایسا اس وجہ سے نہیں کرتا کہ کہیں تم پر بوجھ نہ بن جاؤں۔ میں بھی اسی طرح ناغہ کر کے تمہیں نصیحت سناتا ہوں جس طرح آنحضرتﷺ ہم کو ناغہ کر کے نصیحت سنایا کرتے تھے تاکہ ہم بیزار نہ ہو جائیں۔''

غور و فکر کی دعوت:

حکمت مکالمہ کا تقاضہ ہے کہ مخاطب کو غور و فکر کی دعوت دی جائے اور اسے تفکر و تدبر کی راہ

پر ڈالا جائے۔ عقلی دلائل اور مشاہداتی براہین کے ذریعہ دعوت حق کو مؤثر بنایا جائے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں نبوتِ محمد یہ ایک منفرد ربانی آواز ہے جس نے محض حاکمانہ قانون اور آمرانہ احکام کے بجائے عقل انسانی کو مخاطب کیا، غور وفکر کی دعوت دی اور فہم وتدبیر کا مطالبہ کیا۔ اس نے اپنی تعلیم کے ساتھ اس کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی اور بار بار مخالفوں کو آیاتِ الٰہی میں غور وفکر کی ہدایت کی۔

تبصرة وّذكرى لكل عند منيب۔ (۲۵)

''یہ بصیرت اور نصیحت ہے ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔''

هٰذا بصآئر مّن رّبّكم ۔ (۲۶)

''یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہیں۔''

هٰذا بصآئر للناس ۔ (۲۷)

''یہ لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں۔''

افلا يتدبرون القرآن۔ (۲۸)

''کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔''

تلك اٰيٰتُ الكتب الحكيم ۔ (۲۹)

''یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔''

پورا قرآن صداقت کی عقلی دلیلوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہر مسئلہ کی مصلحتیں اور حکمتیں علی الاعلان ظاہر کی گئی ہیں۔ یہ انسان کی اپنی سمجھ اور عقل دانش پر منحصر ہے کہ وہ ان سے کتنا استفادہ کرتا ہے۔ اور اس پر عمل کرتا ہے جس انسان نے قرآن کو سمجھا اور اس سے استفادہ کیا وہی کامیابی کی منزل پر ہوگا۔ متکلم کو قرآنی دلیلوں سے مخاطب کو قائل کرنا چاہیئے۔

عدل وانصاف سے مکالمہ کیا جائے:

ایک مسلمان مومن کو جن باتوں کے لیے زبان کھولنا ضروری ہے ان میں عدل وانصاف سے گفتگو ہے۔ اسلام نے جو بڑی نیکیاں گنوائیں ہیں ان میں ایک ہے، صلح کروانا اور دوسری ہے انصاف کی بات کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربیٰ (۳۰)

اور (گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا ہو) جب بات کہو تو اگر چہ (فریق مقدمہ اپنا) قرابت دار ہی (کیوں نہ) ہو انصاف کا پاس کرو۔

ایک مومن کو ایسا انصاف والا ہونا چاہیے کہ چاہے اپنا ہو یا پرایا دوست ہو یا دشمن ہر حالت میں انساف کی بات کہنی چاہیے۔ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے میرے رب نے نو باتون کا حکم دیا ہے۔۱۔کھلے یا چھپے ہر حال میں اللہ سے ڈرو۔۲۔کسی پر مہربان ہو یا کسی کے خلاف غصے میں ہوں دونو حالتوں میں انصاف کی ہی بات کہو۔۳۔راستی واعتدال پر قائم رہوں، چاہے امیر ہوں یا فقیر۴۔جو مجھ سے کٹے، میں ان سے جڑون۔۵۔جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں۔۶۔جو مجھ سے زیادتی کرے میں اسے معاف کروں۔۷۔میری خاموشی غور وفکر کی خاموشی ہو۔۸۔میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو۔۹۔میری گفتگو ذکر الٰہی کی گفتگو ہو۔اس کے بعد اللہ کے رسول نے فرمایا: نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو۔

مکالمہ کے لیے دوسری بنیادی چیز عمدہ نصیحت ہے۔عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ اس کہ جذبات کو بھی اپیل کی جائے۔برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارا جائے اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنے بلند مرتبہ سے لطف اندوز ہو رہا ہے بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔(۳۱)

مکالمہ میں اللہ کے لیے اخلاص نیت کا ہونا:

دعوت ایک ایسا عمل ہے جس کے نتیجے میں قلبی حالت تبدیل ہو جاتی ہے کوئی شخص اس وقت تک اپنے عقائد، رسومات، نظریات اور خاندانی وقار کے تقاضوں کو نہیں بھلا سکتا، جب تک اسے

داعی کی بےلوثی، نیک نیتی اور خیر خواہی کا یقین نہ ہو جائے۔اور داعی کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت کو ٹٹولے جب تک اسے اپنی نیت اللہ کے لئے خالص ہونے کا یقین نہ ہو جائے، اس وقت تک دعوت کے لیے گفتگو کا آغاز نہیں کرنا چاہیے۔اور اپنے آپ کو خود پسندی اور تعریف سے دور رکھے۔

لا خير في كثير من نجواهم الّا من امر بصدقة او معروف
او اصلاح بين الناس ومن يفعل ذالك ابتغاء مرضات الله
فسوف نؤتيه اجراً عظيما (۳۲)

لوگوں کی اکثر خفیہ سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ اچھی بات ہے اور جو کوئی اللہ کی رضا کے لیے ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔

تمام انبیاءؑ کے دعوتی عمل میں یہ پہلو نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ان کے استدلال میں ان کے جذباتی و فطری اپیل میں اور عبرت آمیز واقعات کے بیان میں ہر جگہ ایک ہی جذبہ ایک ہی روح اور ایک ہی خواہش نظر آتی ہے کہ مخاطب کسی طرح حق کی آواز سن لے اور اس کی صداقت کو مان لے یہ مقدس نفوس نہ صرف یہ کہ اس حقیقت کا خود شعور رکھتے ہیں بلکہ مخاطب کو بھی مختلف وجوہ سے اپنی بے غرضی اور ایثار کا احساس دلاتے ہیں کیونکہ اس کی معرفت سے دعوت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ہر نبی نے مخاطبین کو یہ یقین دلایا کہ وہ اس دعوت کے ذریعہ کوئی ذاتی مفاد یا مالی منفعت حاصل نہیں کرنا چاہتے۔(۳۳)

قرآن مجید میں سابق انبیاءؑ کے بارے میں یہ جملہ نقل کیا ہے:

ان اجرى الا على الذى فطرنى افلاتعقلون (۳۴)

''میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں۔''

وما اسئلكم عليه من اجر (۳۵)

''میں اس کام کا تم سے صلہ نہیں مانگتا۔''

ان اجری الا علی ربّ العالمین (۳۶)

''میرا صلہ تو خدائے ربّ العالمین ہی پر ہے۔''

داعیانِ حق جس قدر مصائب و آلام کا شکار ہوتے ہیں اور جس طرح ثبات و استقامت کے ساتھ اپنا دعوتی عمل جاری رکھتے ہیں وہ بھی ان کی بے لوثی کی دلیل ہے۔ (۳۷)

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے دین کے پھیلانے میں جس قدر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کی اس کے باوجود نہ بددعا فرماتے اور نہ کوئی بدلہ لیتے۔ (۳۸)

غزوۂ احد میں حضور ﷺ کو لہولہان کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ شدید ترین اذیت کے لمحات میں دست بدعا ہو کر یوں گویا ہوتے ہیں:

اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمُون (۳۹)

''اے اللہ میری قوم کو بخش دے، یہ حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔''

یہ طرزِ عمل مبلغ کی خیر خواہی پر دلالت کرتا ہے اور بدترین مخالف بھی بالآخر حق کی طرف ضرور کھنچتا ہے۔

مکالمہ میں مجادلۂ حسنہ کا مفہوم:

مجادلۂ سے مراد دلائل کا باہمی ردوبدل ہے جس سے مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے اس کے دلائل کا جواب دیا جاتا ہے۔اس سے مراد ہے کہ اگر دعوت دین میں کسی بحث ومناظرے کی ضرورت پیش آئے تو وہ مباحثہ بھی اچھے طریقے سے ہونا چاہیے۔یعنی گفتگو میں نرمی ہو اور ایسے دلائل پیش کیے جائیں جو مخالف کو آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔

بحث کرنے والے کے لیے یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ وہ افکار و خیالات کے حوالے دے اور استدلال و اقتباس کو وہ اہمیت وتوجہ دے جو ان کا حق ہے اور اعداد وشمار لا کر اپنی بات کو وزنی بنائے اور ان مراجع و ماخذ کو بیان کرے جن پر اعتماد کرنا زیر بحث موضوع میں ممکن ہو۔اور موضوع سے متعلق شواہد بیان کرے یہ شوہد قرآن سے ہوں یا حدیث رسول ﷺ سے ہوں۔یا پھر اس موضوع سے متعلق کسی ماہر یا انسائکلو پیڈیا سے لیے گئے ہوں۔کمزور اور بودی دلیلیں نہ دی جائیں بلکہ مضبوط اور حقیقت پر مبنی دلائل ہوں۔حقیقت کی قدر شناسی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان

لوگوں کی آراء و اقوال سے استدلال نہ کیا جائے جن کا علم قابل بھروسہ نہ ہوں۔ جیسے اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ۔

یاایھا الذین آمنو ان جائکم فاسق ،بنبأ فتبینوا ان تصیبوا
قوماً بجھالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (۴۰)
اے ایمان والو؛ اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی (خوب)
تحقیق کرو اور ایسے نہ ہو کہ کسی قوم کو بیخبری میں نقصان پہنچاؤ پھر اپنے کیے پر
نادم بن جاؤ۔

ایسا مثبت استدلال کیا جاتا ہے جو فریق ثانی کو قبولِ حق پر آمادہ کر سکے اس کی نوعیت شیریں کلامی کی ہو، اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو۔ معقول اور دل لگے دلائل ہوں مخاطب کے اندر ضد اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے جب محسوس ہو کے وہ کج بحثی پر اُتر آیا ہے تو اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دور نہ نکل جائے۔ (۴۱)

مجادلہ حسنہ میں جن باتوں کا ہونا لازمی ہے ان میں سچ بولنا اور سچ بات کہنا سب سے پہلی صفت ہے، یہ وہ صفت ہے جس میں بہت سی دوسری اچھی صفات، خوبیاں اور نیکیاں خود بخود شامل ہو جاتی ہیں۔ انسان کے ہر قول و عمل کی درستگی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے لیے اس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق اور ہم آہنگ ہوں۔ جو انسان سچا نہیں اس کا دل ہر برائی کا گھر ہوتا ہے، اور جو سچا ہے اس کے لیے ہر عمل اور ہر نیکی کے حاسل کرنے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سچائی اللہ پاک کی صفتوں میں سے سب سے اہم صفت ہے۔ جس سے اللہ پاک نے خود کو متصف کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ: وانا لصٰدقون (۴۲) اور ہم سچے ہیں۔ اور سچائی انبیاء کرام کی صفتوں میں سے سب سے بڑی صفت ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وصدق اللہ ورسولہٗ (۴۳) اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا۔ قران کریم میں انبیاء کے لیے کہا گیا ہے: وصدیقا نبیا نبی کریم ﷺ کی دو صفات جس کی وجہ سے انہیں سارے قبائل عرب میں عزت اور احترام حاصل تھا وہ ان کی دو صفات تھیں صادق اور امین ہونا۔ اس صفت سے سامع کے ذہن پر یہ اثر ہوگا کہ متکلم جو بات کہہ رہیں ہیں وہ یقیناً سچی ہے کیونکہ یہ صاحب تو جھوٹ بولتے ہی نہیں۔ اور یہ جو بات کہہ رہا ہے، اس میں بھی

جھوٹ شامل نہ ہوگا اس لیے اس کی بات پر غور کرنا چاہیے۔

قرآن نے مجادلے کی عملی مثالیں جو نقل کی ہیں جن کی تعریف فرمائی ہے ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مجادلہ درحقیقت نام ہے اس بات کا کہ اپنی بات منوانے کے لیے مخاطب پر محبت ،اعتماد، حسنِ اخلاق سے گھیرے ڈالے جائیں۔ یہاں تک کہ داعی کی دلسوزی، اس کی بے لوثی اور اس کے اخلاص سے متاثر ہوکر اس کی بات کی صداقت پر غور کرنے اور اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائے۔(۴۴)

مکالمہ کے اصول:

مکالمے کے لیے تیں اصول اہم ہیں ایک یہ کہ کسی کا دین زبردستی تبدیل نہ کروائیں۔دوم یہ کہ قرآن مذہبی اازادی اور مذہبی حق کو تسلیم کرتا ہے۔سوم یہ کہ مکالمے کے وقت ضبط وتحمل اور رواداری کا مظاہرہ کریں۔اس کے لیے اللہ پاک مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیارکم ان تبرو ھم تقسطو الیھم۔انّ اللہ یحب المقسطین ۔(۴۵)

اللہ تمہیں ان لوگوں کے لیے منع نہیں کرتا جوتم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرواور ان کے حق میں انصاف کرو۔

قرآن مجید میں مکالمہ کے کچھ اور اصول بھی بیان کیے ہیں جن میں سے بہت اہم یہ ہے کہ کسی شخص سے جبراً اپنی بات نہ منوائی جائے۔(۴۱)

لااکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن بااللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لاانفصام لھا واللہ سمیع علیم (۴۶)

’’دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے الگ ہوچکی ہے۔تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے اسی مضبوط

رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے، جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے۔"

آپ ﷺ نے دعوت کے تمام مراحل میں پر امن تبلیغ کو اپنا مقصد بنائے رکھا۔ جبر اور اکراہ کا ایک بھی واقعہ آپ ﷺ کی زندگی سے ثابت نہیں ہوتا۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں ایک مبلغ اور داعی کی حیثیت سے گفتگو کا بینظیر اسوہ چھوڑا ہے آپ ﷺ کی داعیانہ زبان اور مبلغانہ کلام کا تجزیہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ داعی اسلام خاتم الرسل ﷺ نے اپنی زندگی سے ان اصولوں کی جس حقانیت کا ثبوت فراہم کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ (۴۷) جب آپ مکالمہ کر رہے ہوں یا بحث کر رہے ہوں تو اپنی ذات اور اپنی گفتگو کے انداز کو دھیان میں رکھیں، اول یہ کہ آپ کی آواز معتدل ہو، دوم یہ کہ صبر اور تحمل سے کام لیں۔ جو بات کریں سوچ سمجھ کر بولیں بات کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ اور اپنے موضوع پر ہی قائم رہیں موضوع سے نہ ہٹیں۔ اپنی بات کو صحیح طور پر بیان کرنے کی قوت، زبان کی فصاحت اور حسن بیان عمدہ مباحثے اور کامیاب گفتگو کے ارکان ہیں۔ لہٰذا اچھی گفتگو کرنے والے کو چاہیے کہ ممکن حد تک اپنی زبان و بیان میں سلیقہ اور عمدگی پیدا کرے اس لیے کہ وہ باسلیقہ اور عمدہ کلام جو خطا سے خالی ہو، جس میں حروف وکلمات صحیح تلفظ سے ادا ہوں باضابطہ، آہستگی اور ترتیب اور تسلسل سے بیان ہو وہ سننے اور سمجھنے والے پر اچھا تاثر چھوڑتی ہے۔ اور بات کرنے والے کا اس لیے احترام کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی بات بیان کرنے میں قادر الکلام اور فصیح و بلیغ ہے۔

بعض اوقات بحث کرنے والا محسوس کرتا ہے کہ فریق ثانی اس کی بات کو نہیں سمجھ رہا اور ان کے درمیان اختلاف راء کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے، یا اس شخص سے بحث کرنا سواء قت کے زیان کے اور کچھ نہیں تو ایسی صورت میں دانائی اور ہوشیاری سے دامن چھڑا لیا جائے کہ مخالف یہ بھی نہ سمجھے کہ مباحثے سے کنارہ کش ہو رہا ہے۔

مکالمے کی مذہبی بنیادیں:

دنیا کے تمام مذاہب کی نبیاد توحید اور آخرت ہے۔ اور ہر الہامی مذہب میں اپنے پیرو کاروں کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ خدا ایک ہے اور سب کو آخر انتقال کرنا ہے اور اللہ کے آگے

حساب کتاب دے کر پھر دوسری زندگی جینا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کرنا شروع کیا اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں سے مٹ گیا اسلیے اس بنیادی عقیدے کی بار بار یاد دہانی کروانے کے لیے اللہ پاک نے انبیاء اور رسول اس دنیا میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے بھیجے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان بنیادوں کا ذکر کر کے تمام مذہبی گروہوں کو بشارت دی کہ اگر تم انہیں درست کرلو تو پھر تمہیں کسی خوف کی ضرورت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے اس دین میں بنیادی عقائد و تعلیمات وہی تھیں جو اس سے قبل انبیاء لے کر آئے تھے، جیسا کہ قرآن نے واضح کیا ہے، یہی وجہ ہے بہت سے احکامات جو اسلام میں ہیں پہلے بھی تھے، مثلاً عقیدہ توحید، آخرت، انصاف، احترام انسانیت، خدمت خلق کی تعلیم، قیدیوں سے حسن سلوک کی تعلیم، منشیات شراب وغیرہ کی حرمت، زنا، چوری کی سزائیں، سود کی حرمت وغیرہ۔ آپ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد اپنے سفراء کے ذریعہ ۲۲۵ خطوط غیر مسلموں کو تحریر کر کے (۴۸) آنے والے وفود سے مکالمہ کر کے فکری ہم آہنگی اور اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی جب مذہبی اتحاد کے اثرات نظر نہ آئے تو معاشرتی اتحاد کے لئے کوشش کرتے رہے،

عیسائی مذہب کا تعارف:

عیسائیت کا شمار بھی الہامی مذاہب میں ہوتا ہے اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا کے تمام مذاہب میں عیسائیت کو عددی اکثریت حاصل ہے۔ یعنی افراد کے لحاظ سے دنیا میں عیسائی سب سے زیادہ ہیں اور انہیں فی زمانہ عروج حاصل ہے۔ یعنی قوت میں بھی ہر لحاظ سے زیادہ طاقتور ہیں۔ مؤرخ احمد عبداللہ المسدوس نے بھی عیسائیت کو دنیا کا ایک بڑا مذہب بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''عیسائیت ایک اخلاقی، تاریخی، عالمگیر توحید پرست نجات دہندہ مذہب ہے جس میں خدا اور بندے کے تعلقات کا درمیانی واسطہ خداوند یسوع مسیح کی ذات ہے'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو حضرت مریم بنت عمران کے یہاں بغیر باپ کے اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ حضرت آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا ارشاد

ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون (۴۹)

بیشک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی طرح ہے ان کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ پھر کہا ہو جا تو پیدا ہو گئے۔

عیسائیوں کی مقدس کتاب کا نام انجیل ہے جس کو وہ بائیبل بھی کہتے ہیں۔ ان کی چار مقدس انجیلیں ہیں ا۔ متیٰ کی انجیل ۲۔ مرقس کی انجیل ۳۔ لاقا کی انجیل ۴۔ یوحنا کی انجیل۔ (۵۰)

عیسائیوں کی عبادتگاہوں کو چرچ کہتے ہیں۔

زیادہ تر عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم کو خدا کی بیوی مانتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ان کے عقیدے کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے۔

لقد کفر الذین قالو ان اللہ ثالث ثلاثۃ (۵۱)

بے شک کافر وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے۔

عیسائیوں کا اہم عقیدہ تثلیث ہے یعنی باپ بیٹا اور روح القدس تینو خدا ہیں یہ ایک میں مل کر تین اور تینو مل کر ایک۔ دوسرا عقیدہ یہ ہے یہودیوں نے ضضرت عیسیٰؑ کو پھانسی دی ان کی لاش تین دن تک قبر میں رہی اور چوتھے دن وہ روح اور جسم کے ساتھ آسمان پر چلے گئے، عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں ان میں سے اہم کیتھولک اور پروٹیسٹ مشہور ہیں (۵۲)

عیسائیوں سے مکالمہ کے فوائد:

ابتداء سے لے کر اب تک کوئی بھی مذہب نیا نہیں آیا۔ تاریخ انسانی کے ہر دوَر میں مذہب نے نوع انسانی کی ترقی میں اہم قردار ادا کیا ہے، تمام مذاہب کی بنیادی تعلیم ایک ہیں۔ ہمیشہ مذہب نوع انسانی کی فکر پر غالب رہا ہے۔ دنیا میں اس وقت دس بڑے مذاہب موجود ہیں ان میں سب سے کم عمر مذہب اسلام ہے۔ ہر مذہب کی بنیاد میں ایک اساسی اتحاد موجود ہے۔ جدید دوَر میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کی اہمیت کو جانتے ہوئے، کامیابی اور سکون سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا کا بیحد ضروری ہے۔ مذاکرات میں صبر و تحمل اور باہمی عزت نفس کی فضا پیدا کی جانی چاہیے۔ اسلام مسلمانوں کو دوسرے مذاہب، زبانوں نسلوں یا قومیتوں کے حامل لوگوں کے ساتھ پر امن زندگی گذارنے کی تلقین کرتا ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا تاریخی پہلو اہمیت کا حامل ہے کہ آپ ﷺ نے انتہائی مختصر عرصے میں معاشرے کو عادلانہ نظام اور اعلیٰ

تہذیبی اقدار سے آراستہ فرمایا۔عیسائیوں کے ساتھ جب ہم مل بیٹھ کر مکالمہ کریں گےتو ان کے اور ہمارے مذہب کی بنیادوں میں کوئی خاص فرق نہ ہوگا اور انہیں ہماری باتوں سے اتفاق کرنا ہوگا، ہمارے اور ان کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔اور دنیا میں امن اور سکون ہوگا۔مکالمہ کے ذریعہ سے اھانت رسول ﷺ میں رکاوٹ آجائے گی اور مسلمانوں میں اشتعال کم ہوگا۔اس سے دنیا میں امن قائم ہوگا،جنگوں کا خاتمہ ہوگا اور دنیا سے بھوک اور بدحالی کا خاتمہ ہوگا۔

تجاویز:

بدامنی اور خوف کی فضا کوختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب مذاہب مل بیٹھ کر طے کریں کہ انسان کی عزت اور تکریم کرنا ہے۔اور ساری دنیا کو یہ بتانا ہے کہ انسانیت کی خدمت ہی سب سے بڑااعزاز ہے۔

ہمیں اقوام عالم اور دنیا کی مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے علمبردار افراد کے سامنے یہ پیغام عام کرنا ہے کہ بین المذاہب اور بین التہذیبی مکالمے کی روایت کوفروغ دینا چاہتے ہیں اور یہ ہمارے دین اور ہماری شاندار اور قابل فخر دینی و مذہبی روایات کا حصہ ہے،اس حوالے سے ہم اپنا کردارادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

دنیا کے دیگر مذاہب اور تہذیبوں سے مثبت تعمیری اور خیر سگالی پر مبنی تعلقات کو کا فروغ ہماری شاندارروایات کا حصہ ہے،ہم اسے پروان چڑھانا چاہتے ہیں۔

مفاہمت اور پرامن بقائے باہمی اوراور مختلف مذاہب اور تہذیبون کے درمیان مکالمے کی روایت کوقائم کرنا ہے۔

عالمی سطح پرامن کے قیام میں مذاہب کا کردار ایک مسلمہ امر ہےایک داعی اور مبلغ کے طور پر ہم اپنا تعمیری کردارادکریں،ہم امت وسط بھی ہیں اور ہمارے دین کا بنیادی تقاضا اور فلسفہ بھی یہی ہے۔

مذہبی،اور دیگر بحرانوں سے بہتر انداز میں عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک حکمت عملی اور منصوبہ بندی کرنی ہے،جس سے عالمی سطح پرامن اور سلامتی کے قیام میں مدد مل سکے۔منافرت اور مذہبی انتشاراور ظلم وجارحیت کا سدباب ہوسکے۔

مفاہمت کے فروغ اور مکالمے کے لیے سیاسی اور سفارتی سطح پر ایسا کردار ادا کرنا جو اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے مختلف مذاہب میں اور خاص کر مغرب میں پائے جانے والے منفی اور پروپیگنڈہ کو زائل کرنے میں بھرپور مدد کر سکے۔

اس سلسلے میں حکومت کو مکالمہ کے فروغ کے لیے کام کرنا چاہیے علماء اور اسکالرز کی سرپرستی کرنی چاہیے، اور یہ مکالمہ تمام مذاہب کے علماء کے درمیان ہونا چاہیے۔تاکہ جو اختلافات ہیں وہ ختم ہو جائیں اور دنیا میں امن قائم ہو جائے۔

خلاصہ بحث:

دوَر حاضر میں انسانیت جن بہت بڑے مسائل کا شکار ہے ان کو حل کرنے کے سلسلے کی ضرورت ہے اور یہ جدوجہد ان مذاہب کے بنیادی مقاصد کا تقاضا بھی ہے اس سے نہ صرف عیسائیت اور اسلام کے ماننے والوں کو فائدہ ہوگا بلکہ پوری انسانیت کو فائدہ ہوگا۔

حوالہ جات:

1- سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۳

2- سورہ یوسف آیت ۱۰۸

3۔ سورہ آل عمران آیت ۶۴

4- سورۃ التین آیت ۴

۵۔ مکالمہ اتحاد بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں، ڈاکٹر، صلاح الدین ثانی، ص ۶۳، ۶۴ ناشر مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی

۶۔ سورۃ الحج آیت ۸

۷۔ اسلوب فی المحاورہ فی القرآن الکریم، دکتور عبدالحکیم حنفی، صفحہ ۱۲۔

۸۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسانِ کامل، ص ۱۵۶، الفیصل ناشران وتاجران لاہور۔

۹۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶۷۔

۱۰۔ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۵۔

۱۱۔ سورۃ الذاریات آیت نمبر ۵۵۔

۱۲۔ محمد بن عیسیٰ جامعہ ترمذی، کتاب العلم باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل ۴۰/۵۔

۱۳۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۵۔

۱۴۔ سید سلیمان ندوی سیرت النبی ج ۴، ص ۳۵۲ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۲۳۲ھ۔

۱۵۔ سورہ یونس آیۃ ۹۹

۱۶۔ سورہ حجرات آیت ۱۳

۱۷۔ موودودی ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن ۵۸۱/۱ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۵۴۔

۱۸۔ مولانا امین احسن اصلاحی، دعوت دین اور اس کا طریقہ، ص ۱۱۰ مکتب جماعت اسلامی لاہور۔

۱۹۔ محمد بن عبداللہ خطیب التبریزی، مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث ۸۴/۱۔

۲۰۔ مسلم بن الحجاج القشیری الجامع الصحیح المسلم کتاب الجہاد، فی الامر بالتیسیر ۱۴۱/۵ دارالمعارف بیروت مصر ۱۳۳۴ھ۔

۲۱۔ ایضاً، کتاب الایمان، باب الامر بالایمان ۳۷/۱، ۳۸۔

۲۲۔ محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح البخاری کتاب العلم، باب العلم قبل القول ۲۵/۱، مسلم بن الحجاج القشیری الجامعہ الصحیح المسلم کتاب الاجہاد، فی الامر بالتیسیر ۱۴۱/۵

۲۳۔ محمد بن عبداللہ خطیب التبریزی، مشکواۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث ۸۴/۱ مکتبہ الاسلامی دمشق ۱۹۴۱ء۔

۲۴۔ محمد بن اسماعیل الجامعہ الصحیح البخاری کتاب العلم، باب من جعل لاہل العلم ایاماً معلومتہ ۲۵/۱۔

۲۵۔ سورۃ ق آیت نمبر ۸۔

۲۶۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۳۔

۲۷۔ سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۴۰۔

۲۸۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۸۲۔

۲۹۔ سورۃ لقمان آیت نمبر ۲۔

۳۰۔ سورہ انعام آیت ۱۰۶

۳۱۔ مودودی ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن ۵۸۲/۲ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۵۴ء۔
۳۲۔ سورۃ النساء آیت ۱۱۴
۳۳۔ ایضاً، ص ۱۸۰۔
۳۴۔ سورۃ احزاب آیت ۲۲
۳۵۔ سورۃ الھود آیت نمبر ۱۵۔
۳۶۔ سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۰۹۔
۳۷۔ سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۴۵۔
۳۸۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسانِ کامل، ص ۱۸۱، الفیصل ناشران وتاجران لاہور۔
۳۹۔ محمد زکریا صاحب، تبلیغی نصاب، ص ۹، ۱۱ تاج کمپنی لمٹیڈ کراچی۔
۴۰۔ مسلم بن الحجاج القشیری الجامع الصحیح المسلم کتاب الجہاد، باب غزوہ احد ۱۷۹/۵، دارالمعارف بیروت۔
۴۱۔ سورۃ الحجرات آیت ۶
۴۲۔ مودودی ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن، ۵۸۲/۲ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۵۴ء۔
۴۳۔ سورۃ الانعام آیت ۱۴۶
۴۴۔ مولانا امین احسن اصلاحی، دعوت دین اور اس کا طریقہ، ص ۲۷ مکتب جماعت اسلامی لاہور۔
۴۵۔ سورہ ممتحنہ آیت ۸
۴۶۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسانِ کامل، ص ۱۸۴، الفیصل ناشران وتاجران لاہور۔
۴۷۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۶۔
۴۸۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسانِ کامل، ص ۱۸۴، الفیصل ناشران وتاجران لاہور۔
۴۹۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۳۲، ڈاکٹر حمید اللہ، دارالاشاعت کراچی۔
۵۰۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۵۹ پارہ ۳۔
۵۱۔ مولوی محبوب عالم، اسلامی انسائکلو پیڈیا، صفحہ نمبر ۱۱۰، ناشر الفیصل کتب خانہ لاہور
۵۲۔ سورہ مائدہ آیت ۴۷، پارہ ۶
۵۳۔ عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام، ص ۴۳، ضیاء الدین سید۔

مکالمہ بین النصاری والمسلمین کی مذہبی بنیادیں
سیرت طیبہ ﷺ اور کتب مقدسہ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر قاری بدرالدین
صدر شعبہ عربی جامعہ اردو

ABSTRACT

"DIALOGUES BETWEEN CHRISTIAN AND MUSLIMS"

First:- Word dialogue has also been included with the remembrance of synonymous beside the research of words, so that the readers not feel any difficulty during the reading of the dialogue.

Second: Full detailed discussion has made on the objectives of the dialogue, because this thing is not secret from the 'religious scholars that the dialogue is extreme need of the present era of the globalization. True religion, the Religion of Islam also teaches us for the dialogue through Holy Quran and Hadith, Furthermore Islam has formed the proper principles of dialogue, due to the reason that Islam is only the religion who teaches the teachings of real peace and prosperity. Other religions are fake claimant of the peace. Therefore dialogue should be aimed, because any aimless jobs have no avail. The following objectives should be kept for the dialoguers.

(1) Dialogue for Comprehending.

(2) Dialogue for the preaching of Islam.

(3) Dialogue for compromising between religions.

Third: Some fundamental principles has been formed for the dialogue writers, which is very important for the dialogue writer to consider these principles, Detail of the dialogue will come later, but principles are explain here.

(1) Preaching of the Religion of Islam.

Means that the objective of dialogue writer is to be the preaching of righteous religion and it is essential upon all the Muslims.

(2) The method of the dialogue writer should be courageous not defensive.

However the defensive way can be adopted according to the circumstance, but dialogue should be courageous, the defects found in the non Islamic religions and concepts keep in front then the answers of such defects called from them.

Fourth: In dialogue some basic and unavoidable religious terminology has been full explained regarding the Christian religion. Such as (1) the definition of Christianity (2) The concept of God in Christian religion (3) Faith of trisection (4) Tauheed regarding trisection (5) Father (6) Son (7) Holy Soul (8) Unity of Three and one.

At last the globalization and popularity of the Islamic religion has be n defined, that the Religion of Islam invites the all human beings of the world, a1d there is no any discrimination.

مکالمۃ، باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جسکے معنی ہیں آپس میں بات چیت کرنا۔ بات چیت ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے غلط فہمیاں دور ہو کر انسان ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں۔ یقیناً ہر آسمانی

مذہب میں اسکی تعلیم موجود ہے۔مگر اسلام جو دین برحق ہے اور تا قیامت یہی دین برحق رہیگا۔حتی کہ قرب قیامت میں سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام تشریف لائینگے وہ بھی اس دین کی تائید فرمائینگے ،لہذا اس آخری مذہب میں رواداری اور مکالمہ بین المذاہب پر زیادہ ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ حق بات کو دوسرے تک احسن طریقے اور حکمت عملی سے پہنچانا قرآن کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ارشاد ربانی ہے!

> ''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کوحکمت اور بہترین طریقے سے بلاؤ'' (۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو باہمی بات چیت اور پیارومحبت کے ذریعہ دین حق کی طرف بلایا جائے۔

مکالمہ کے مقاصد:

اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ گلوبلائزیشن(Globalization) کے اس دور میں بین المذاہب مکالمہ(inter Faith Dialogue) کی شدید ضرورت ہے۔اسلام میں ڈائیلاگ ہی وہ واحد راستہ ہے جس سے کسی بھی مذہب کا داعی ،مخاطب کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کرسکتا ہے۔یہ باہمی بات چیت ایسا ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ حق کے متلاشی کو سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔مکالمہ کے لئے عربی میں لفظ''حوار'' بھی ہے۔جو مکالمہ ہی کا معنی دیتا ہے ،البتہ مکالمہ زیادہ مستعمل ہے۔آج پوری دنیا کا یہ عام مشاہدہ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں اگر امن قائم ہوا ہے تو وہ مکالمہ ہی سے قائم ہوا ہے، بشرطیکہ یہ مکالمہ خلوص نیت سے ہو یہ مکالمہ افراد کے درمیان بھی ہوسکتا ہے تہذیبوں اور مختلف مذاہب کے درمیان بھی۔

یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ اسلام ہمیشہ امن وامان کا داعی رہا ہے۔یہ اللہ کا دستور ہے جب بھی دلائل کی بنیاد پر گفتگو ہوگی تو فتح یقیناً اھل اسلام کی ہوگی اور میدان ہمیشہ اسلام اور اھل اسلام کے ہاتھ ہی رہیگا۔اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر عقل واستدلال کی رو سے تو مطلق ہے اور وہ کسی وقت اور زمانے کے ساتھ مقید نہیں البتہ مادّی غلبہ اھل اسلام کی اھلیت وصلاحیت پر موقوف ہے، کیونکہ جب بھی آزادانہ مکالمے ہونگے تو سچائی خود بخود سامنے آئیگی۔اور یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ بے داغ اور

کامل سچائی اسوقت اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب اور نظریات والوں کے پاس نہیں۔الحمد اللہ اسلام کے پاس فرعونی اور طاغوتی قوت کو شکست دینے کیلئے دلائل کی کمی نہیں اور مکالمے کے میدان میں ہمارا یہی سب سے بڑا کارگر ہتھیار ہے۔آج اقوام عالم میں مکالمہ کی مختلف شکلیں نظر آتی ہیں۔مثلاً

(۱)۔ مکالمہ برائے حقانیت کل مذاہب (۲)۔مکالمہ برائے افہام و تفہیم (۳)۔مکالمہ برائے تبلیغ اسلام

مکالمہ برائے حقانیت کل مذاہب:

پہلی قسم کا مکالمہ ناممکنات میں سے ہے، کیونکہ عقلاً وعادتاً اجتماع الضدین محال ہے۔کیونکہ جس طرح روشنی واندھیرا،نور وظلمت،عدل وظلم۔نیکی و بدی،خیر وشر ایک نہیں ہو سکتے۔اسی طرح کل مذاہب کو حق ثابت کرنے کے لیئے مکالمہ غیر مفید ہے بلکہ شریعت کی رو سے ناجائز ہے۔

مکالمہ برائے افہام وتفہیم:

اس درجہ کے مکالمہ کی اسلام نے مشروط اجازت دی ہے جب کوئی انسان دین اسلام کو سمجھنے کی نیت سے آئے اور مسلمانوں سے اس بارے میں مکالمہ کرنا چاہے تو اس کے سامنے اس کے نظریہ و مذہب کی خامیوں کو واضح کر کے اسلام کی خوبیاں بھی واضح کر دینی چاہئے۔لیکن اگر مکالمہ کرنے والے کی یہ نیت نہیں تو یہ مکالمہ بھی بے سود ثابت ہوگا۔

مکالمہ برائے تبلیغ اسلام:

اس تیسری قسم کی نیت کے ساتھ مکالمہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔کیونکہ دین کی بنیادی باتوں کو تمام اقوام عالم تک پہنچانا جس کو تبلیغ ودعوت کہتے ہیں تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔اس فریضے کی ادائیگی کے مختلف طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ مکالمہ بین المذاہب بھی ہے۔برصغیر میں اس قسم کے مکالمہ کا آغاز مختلف اکابرین نے کیا۔مثلاً شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وزیر خان،مولانا رحمت اللہ کیرانوی،مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ طرح کے دیگر اکابرین نے اس مکالمہ کو پروان چڑھایا۔مکالمہ میں ایک بات یہ بھی طے ہوتی ہے کہ مکالمہ کے دوران حق جس کے ساتھ واضح ہو فریق ثانی اسے قبول کرے گا۔لیکن جب حق یعنی اسلام کی حقانیت مد مقابل پر واضح ہو جاتی وغ تو ان مذاہب کے لوگ بالعموم اپنے وعدے سے پھر جاتے ہیں یا میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے،جس طرح پادری فنڈر استنبول

میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی آمد پر تر کی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

اس قسم کے مکالمہ کی تائید قرآن کریم کی ایک آیت سے بھی ملتی ہے۔

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق (۲)

بلکہ ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ کر رکھ دیتا ہے اور وہ (یعنی باطل) دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے۔

آج پوری دنیا میں بذریعہ مکالمہ اگر حق کا پرچار ہو رہا ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہی کا پرچار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر ادیان کی بنیاد حق پر نہیں، بلکہ باطل اس میں خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قسم کا بیج ہوگا اسی قسم کا پھل بھی ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

''اور ناپاک بات کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے (نہ جڑ مستحکم نہ شاخیں بلند) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے اس کو ذرا بھی قرار (وثبات) نہیں'' (۳)

مکالمہ کے لیئے چند بنیادی اصول

(ا)۔ مکالمہ کی نیت سے غیر مسلم تک تبلیغ دین پہنچانا ہے۔ اس طرح کا مکالمہ مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ اسی فرض کی ادائیگی کا اولین حکم آپ ﷺ اور آپ کے ذریعے امت کو دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے!

''اے پیغمبر جو ارشادات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو، اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ (ﷺ) اللہ کا پیغام پہنچانے سے قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا)'' (۴)

اس آیت میں بات چیت کے ذریعے دین حق کا لوگوں تک پہنچانا نبی پر لازم قرار دیا گیا۔ پھر آپ کے توسط سے پورے مسلمانوں پر بھی ادائے تبلیغ فرض کر دیا گیا۔ حدیث میں آتا ہے

بلّغوا عنّی ولو آیة (۵)

پہنچاؤ میرا پیغام چاہے ایک ہی آیت (یعنی بات) قرآنی ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"فليبلغ الشاهد الغائب" (۶)

چاہیئے کہ ہر حاضر غائب تک دین حق کو پہنچائے۔

یہ بات آپ ﷺ نے میدان عرفات میں حج کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش صحابہ سے فرمائی تھی۔ مذکورہ آیات قرآنیہ اور احادیث سے ثابت ہوا کہ مکالمہ کے ذریعے کلمہ حق پہچانا اس امت کے فرائض میں شامل کر دیا گیا ہے۔ چاہے مخالف حق تسلیم کرے یا نہ کرے کیونکہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ارشاد ربانی ہے!

اے نبی ﷺ جس کو آپ دوست رکھتے ہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور ہدایت کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (۷)

ایک اور مقام میں آتا ہے:

"من يضلل الله فماله من هاد"

جسکو اللہ گمراہ کردے سو اس کے لیئے کوئی ہدایت نہیں (۸)

اگر چہ ہدایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے، مگر اتمام حجت کے لیئے یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے!

"لتكونوا شهداء على الناس"

تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر (حق کی بات پہنچادینے کے بارے میں) گواہ رہو (۹)

مومن کا کام حق بات کا خلوص نیت سے مخلوق تک پہنچا دینا ہے۔ بس نیت صاف ہونی چاہئے۔ بخاری کی پہلی روایت ہے

"انما الاعمال بالنيات" (۱۰)

تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

لہذا حق کی تلقین امت مسلمہ کا خاصہ ہے۔

مکالمہ کا انداز اقدامی ہونا چاہئے نہ کہ دفاعی

مکالمہ حالات کی مناسبت سے دفاعی یا اقدامی ہوسکتا ہے۔دفاع سے مراد غیر مسلم کے اسلام پر کیئے گئے اعتراضات کا جواب دینا ہے۔اقدامی مکالمہ کا انداز یہ ہے کہ اعتراضات کا جواب دینے کے بجائے غیر اسلامی مذاہب ونظریات میں پائی جانے والی خامیاں ان کے سامنے لائی جائیں پھران خامیوں کا جواب ان ہی سے طلب کیا جائے۔جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے درمیان جب مناظرہ چل رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔

> ''بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ اللہ نے اس کو سلطنت بخشی تھی ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا جب ابراہیمؑ نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔تو نمرود کہنے لگا جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں، ابراہیمؑ نے کہا اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تم اسے مغرب سے نکال دو۔(یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔(۱۱)

اب ہم مکالمہ کے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔جس کی اولین مخاطب عیسائی دنیا ہے۔قرآن کریم میں دنیا کے تمام مذاہب عالم سے مختلف موقعوں میں مختلف انداز سے گفتگو کی گئی ہے ۔آنے والی آیتوں سے آپ ﷺ کی نبوت اور آخری دین کی صراحت واضح ہو جاتی ہے چنانچہ تمام مذاہب عالم کو دین برحق کی طرف بلایا گیا ہے، جو حسب ذیل ہے۔

> ''اے نبی ﷺ آپ کہہ دیں کہ اے اھل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جسکو ہم اور تم برابر مانتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔اور ہم کسی کو اسکا شریک نہ بنائیں، اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا مالک بنائے۔پھر اگر وہ اسکو بھی نہ مانیں تو تم کہہ دو کہ (اس بات پر) گواہ رہو کہ ہم نے تو گردن جھکا دی''۔(۱۲)

اسلام اور اھل کتاب میں ایک بنیادی اصول ہے ایک اللہ کی عبادت کرنا اور غیر کو اس کے ساتھ شریک نہ کرنا چنانچہ اس آیت مبارکہ میں تبلیغ ودعوت کا ایک اہم اصول معلوم ہوتا ہے، کہ اگر کوئی

آدمی کسی ایسی جماعت کودعوت دینے کا خواہش مند ہو، جوعقائد ونظریات میں اس سے مختلف ہو، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کوصرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہو جیسے رسول ﷺ نے جب روم کے بادشاہ "ہرقل" کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی، جس پر دونوں کا اتفاق تھا، یعنی اللہ کی وحدانیت پر، وہ دعوت نامہ درجہ ذیل ہے۔

"میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ﷺ کی جانب سے روم کے بادشاہ ھرقل کی جانب ہے سلامتی ہو اس آدمی کے لیئے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تجھے اسلام کی طرف آئے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاتو سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر دیگا اور اگر تو اعراض کریگا تو تجھ پر ان سب کا وبال ہوگا جو تیری رعایا ہیں۔ اے اھل کتاب! ایک ایسی بات پر آکر جمع ہو جاؤ جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں کو رب بنائیں" (۱۳)

آیت مذکورہ میں اھل کتاب نصاریٰ کو ایک ایسے مسلّم اجماعی عقیدہ توحید کی دعوت دی گئی ہے جس سے اس مذہب کے ماننے والے انحراف کر چکے تھے لہٰذا ان کو اس غلط عقیدہ کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب اوّل تا آخر صداقت اور حقائق سے بھری پڑی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ نصاری کے ایک اور غلط عقیدہ کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ نصاری حضرت عیسیٰؑ کو الٰہ مانتے تھے، کیونکہ وہ بغیر باپ کے مریم صدیقہ سے پیدا ہوئے۔ گویا ان کے نزدیک بغیر باپ کے پیدا ہونا خدا ہونے کی دلیل ہے، قرآن نے انکے اس عقیدے کی تردید فرمائی۔

"بیشک عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے (اسکا قالب) بنایا پھر ان سے کہا ہو جاؤ سو وہ (انسان) ہو گئے (یہ بات) ہمارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ پھر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چکی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم

اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعاء و التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ یہ تمام بیانات صحیح ہیں اور بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بیشک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے"۔(۱۴)

مذکورہ آیت میں نصاریٰ کے ایک عجیب نظریہ کی نشاندہی کرکے انکو اصلاح کی دعوت فکر دی گئی ہے۔وہ عقیدہ کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ کو خدا ماننا، دلیل یہ پیش کی گئی کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا بھی کسی سے جنم لیتا ہے۔گویا خدا خود بھی اپنے وجود میں کسی کا محتاج ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو واجب الوجود ہے وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں۔ارشاد ربانی ہے!

"کہدو اے نبی ﷺ! اللہ اکیلا ہے وہ بے نیاز ہے نہ وہ کسی سے جنا ہے نہ اس سے کوئی جنا ہے (یعنی وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا) اور کوئی بھی اسکا ہمسر نہیں"۔(۱۵)

معلوم ہوا کسی سے پیدا ہونا بڑے عیب کی بات ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے بے نیاز ہے تمام عیوب سے بالاتر ہے۔تو حضرت عیسیٰ کیسے خدا ہو سکتے ہیں، اگر بالفرض ومحال بغیر باپ کے پیدا ہونا الوھیت کی دلیل ہے تو حضرت آدمؑ زیادہ مستحق تھے کہ وہ الہٰ ہوتے، کیونکہ وہ تو بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے تو جب آدمؑ کے بارے میں تمہارا یہ عقیدہ نہیں تو عیسیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ تمہارا اپنا اختراع ہے، کیونکہ یہ لوگ اپنے اس عقیدہ کو کسی بھی آسمانی کتب سے ثابت نہیں کر سکتے۔خود قرآن نے بھی حضرت عیسیٰ کی زبانی تردید نقل کی ہے۔ارشاد ربانی ہے!

"(اور اس وقت کو یاد رکھو) کہ جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو معبود بناؤ؟ وہ کہینگے کہ تو پاک ہے میری کیا مجال کہ میں ایسی بات کہتا جسکا مجھے کچھ حق نہ تھا۔اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے۔اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا، بیشک تو عالم الغیب ہے۔میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جسکا تو نے مجھے حکم دیا ہے، وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا

رہا۔ جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو، تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبر دار ہے"۔(۱۶)

اسی مناسبت سے ہم الوھیت عیسیٰ سے متعلق بحث سے قبل عیسائی مذھب کا مختصر تعارف اور انکے عقیدہ تثلیث سے متعلق تفصیل انکی کتابوں سے پیش کرینگے۔

عیسائیت کی تعریف وتعاف

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے،

"وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے"۔(۱۷)

عسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، الفریڈ، ای گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں مذکور ہے۔

"عسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پختہ کر دیا گیا ہے"۔

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گاروے نے اس کے ایک ایک جزء کی توضیح کی ہے،

"اخلاقی مذہب" سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے جسمیں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیاوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمام تر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،

"تاریخی مذہب" کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر وعمل ایک تاریخی شخصیت ہے، یعنی حضرت عیسیٰ! انہی کے قول وعمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے۔

"کائناتی" ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ ونسل کے لیئے نہیں ہے بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے۔

عیسائی مذہب کو موحد (monotheist) وہ اس لیئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقانیم تسلیم کیئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی التثلیث کے

بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آگیا ہے،لیکن عیسائی اپنی روح کے اعتبار سے موحد ہے،اور خدا کو کلیسائی عقیدے کے طور پر ایک سمجھتی ہے"۔

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ "کفارے" پر ایمان رکھتا ہے،اس جز کی تشریح کرتے ہوئے گاروے لکھتا ہے۔

"خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے۔اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا ہے،اس لیئے ضروری ہے کہ اسے پھر سے قائم کیا جائے،یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہوتا ہے"۔(۱۸)

یہ تھی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف،لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے،اس لیئے اب ہم ایک ایک کر کے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں۔

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے،عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہیں،وہ بھی خدا کو تقریباً انہی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے جو دوسرے مذاہب میں اس کے لیئے بیان کی جاتی ہیں،مارس ریلٹن لکھتا ہے۔

"عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے،جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے،اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے،لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا،اس لیئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے،وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں"۔(۱۹)

عقیدہ تثلیث

یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب نے خدا کے تصور کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی الجھی ہوئی ہیں، اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (persons) سے مرکب ہے: باپ بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث، (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن خود اس عقیدہ کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کے تعین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ "خدا" باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم" وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ (۲۰)

پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموع جسے ثالوث (trinity) کہتے ہیں اسکا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں مگر مجموعہ خدا سے کمتر ہیں، اور ان پر لفظ "خدا" کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ یہ تین خدا ہی نہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔ (۲۱)

عیسائی برادری کو قرآن وحدیث کی روشنی میں دعوت فکر:

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ (۲۲)

خلاصہ:

اسلام وہی دین ہے جسکی دعوت و تعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں۔ اب اسکی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جسمیں توحید و رسالت اور آخرت پر اس طرح یقین و ایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کافی نہیں کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کر لینا یہ اسلام نہیں، نہ اس سے نجات آخرت ملے گی۔ ایمان و اسلام اور دین یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اس ایک معبود کی عبادت کی

جائے۔ محمد ﷺ سمیت تمام انبیاء پر ایمان لایا جائے اور نبی ﷺ کی ذات پر نبوت کا خاتمہ تسلیم کیا جائے اور ایمان کے ساتھ ساتھ وہ عقائد و اعمال اختیار کیئے جائیں جو قرآن میں یا حدیث رسول ﷺ میں بیان کیئے گئے ہیں۔ اب اس دین اسلام کے سوا کوئی اور دین عنداللہ قبول نہیں ہوگا۔

اور جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اسکا دین قبول نہیں نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔ (۲۳)

نبی ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیئے ہے۔

کہ دیجیئے! اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔ (۲۴)

ایک اور مقام میں ارشاد ہے۔

"برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تا کہ وہ ڈرانے والا ہو سارے عالم کو"۔ (۲۵)

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو سارے جہاں اور قیامت تک کے لیئے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا،

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو یہودی یا نصرانی مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا، وہ جہنمی ہے"۔ (۲۶)

آپ ﷺ نے فرمایا

"بعثت الی الاحمر والاسود"۔ (۲۷)

میں سرخ کالے یعنی تمام انسانوں کے لیئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اس لیئے آپ ﷺ نے اپنے وقت کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کو جو خطوط تحریر فرمائے ہیں ان میں انکو اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی تھی ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: "جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پس

اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں۔کیا وہ اللہ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں۔حالانکہ تمام آسمانوں والے اور زمین والے اللہ ہی کے فرماں بردار ہیں،خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے سب اس طرف لوٹائے جائینگے"۔(۲۸)

ان آیتوں میں اہل کتاب (یہود و نصاری) اور دیگر اہل مذاہب کو تنبیہ ہے کہ بعثت محمدی ﷺ کے بعد بھی ایمان لانے کے بجائے اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنا اس عہد کے خلاف ہے جو اللہ نے نبیوں کے واسطے سے ہر امت سے لیا ہے۔لہٰذا تمام آسمانی مذاہب کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ مذکورہ حقائق کی روشنی میں صدق دل سے غور کریں۔کیونکہ کل کو آپ کو بھی مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔وہاں کی رسوائی سے بچنے کے لیئے دعوت فکر دی جارہی ہے۔

حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور سید الانبیاء ہیں۔آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کسی خاص عالم،خاص مخلوق،خاص ملک،خاص قوم،خاص اہل لسان یا کسی خاص اہل رنگ کے لیئے نہیں بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت العالمین بنا کر بھیجا ہے۔

وما ارسلناك الا رحمه للعالمين (۲۹)

"آپ ﷺ ساری انسانیت کے لیئے نبی بنا کر بھیجے گئے"

يا ايها الناس انی رسول الله اليكم جميعا (۳۰)

حضور اکرم ﷺ مذہب کو مٹانے نہیں آئے بلکہ انہیں مذہبی مکالمہ اور مذہبی اعتدال پسندی کی سیڑھی پر چڑھا کر سدھارنے آئے تھے۔انہیں ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع کرنے آئے تھے۔چنانچہ آپ ﷺ کا پہلا پیغام یہ تھا۔

قولو لااله الاالله تفلحون

یہ خطاب مشرکین سے بھی تھا کفار سے بھی یہود سے بھی اور نصاریٰ سے بھی۔قرآن مجید میں صاف صاف اعلان ہے۔

قل يا اهل الكتاب تعالو الى كلمة سواء بيننا وبينكم (۳۱)

اس آیت میں غیر مسلموں کو واضح پیغام دیا گیا ہے کہ آجاؤ مل جل کے چلتے ہیں۔بات چیت کے ذریعہ کوئی مشترک اور اتفاقی نقطہ تلاش کرتے ہیں پھر ہم سب اتفاق و اتحاد سے اس مشترکہ

ایجنڈے پہ عمل کریں گے باقی اختلافی نقطے ترک کرتے ہیں۔ اسلام نے کبھی اہل کتاب کو یہودیت اور نصرانیت چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا نہ ہی بزور بازو اسے مٹانے کی بات کی، بلکہ ہم تو یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام نے اہل کتاب سے زیادہ یہودیت اور نصرانیت کا تحفظ کیا، اہل کتاب نے اپنے مذاہب کی شکل وصورت مسخ کر دی، جبکہ اسلام نے اس کی صورت کو مزین کیا اہل کتاب نے اپنے مذاہب کو تحریف وتغیر کے ذریعہ بدلنے کی کوششیں کیں جبکہ اسلام نے اس کا تحفظ کیا، اسلام نے ہمیشہ اہل کتاب سے یہی درخواست کی ہے کہ اپنے ہی مذاہب کی حفاظت کروان کے حقیقی تقاضوں پہ عمل کرو، ان کی بنیادی ہدایات کی روشنی میں چلو، ان کی اصلی تعلیمات کے زیور سے آراستہ ہو جاؤ، اور اپنے مذہب کی معرفت حاصل کرو اگر تمہیں اپنے مذہب کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے تو ہمارے خیال میں خود بخود اسلام کی معرفت وحقانیت بھی معلوم ہو جائے گی۔

مصادر ومراجع

۱۔ سورۃ النحل آیت نمبر 125

۲۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر 18

۳۔ سورۃ ابراہیم آیت نمبر 26

۴۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر 67

۵۔ صحیح بخاری ج ۳،ص ۱۲۷۵ حدیث ۳۲۷۴، دار النشر دار ابن کثیر الیمامۃ طبع ۱۹۸۷ء

۶۔ صحیح بخاری ج ۲،ص ۶۱۹ حدیث ۱۶۵۲، دار النشر دار ابن کثیر الیمامۃ طبع ۱۹۸۷ء

۷۔ سورۃ القصص آیت نمبر 56

۸۔ سورۃ الزمر آیت نمبر 36

۹۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 143

۱۰۔ صحیح بخاری ج ۱،ص ۳ حدیث ۱، دار النشر دار ابن کثیر الیمامۃ طبع ۱۹۸۷ء

۱۱۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 258

۱۲۔ آل عمران آیت نمبر 64

۱۳۔ تفسیر معارف القرآن ج/۲ص/ 87 ادارۃ المعارف کراچی طبع 1984ء

۱۴۔ آل عمران آیت نمبر 59 تا 62

۱۵۔ سورۃ الاخلاص پارہ 30

۱۶۔ المائدہ آیت 116 تا 117

۱۷۔ برٹانیکا مقالہ عیسائیت ص/ 693 ج/ 5

۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص/ 81 ج/ 3

۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص/ 581 ج/ 3

۲۰۔ برٹانیکا ص/ 479، ج/ 22 مقالہ "Trinity"

۲۱۔ الخطط المقریزیہ ص/ 408، ج/ 3، لبنان، 1959ء

۲۲۔ آل عمران آیت نمبر 19

۲۳۔ آل عمران آیت نمبر 85

۲۴۔ سورۃ الاعراف آیت 158

۲۵۔ سورۃ الفرقان آیت نمبر 1

۲۶۔ صحیح مسلم ج/۱ص/ 134 حدیث 153، المکتبۃ الاسلامیہ مطبوعہ 1374ھ

۲۷۔ صحیح مسلم ج/۱ص/ 370، حدیث 521، المکتبۃ الاسلامیہ مطبوعہ 1374ھ

۲۸۔ سورۃ آل عمران آیت 81 تا 83

۲۹۔ سورۃ الانبیاء پارہ 17

۳۰۔ سورۃ الاعمران آیت نمبر 158، پارہ 9

۳۱۔ آل عمران آیت 64

مذاہب ثلاثہ کے درمیان مکالمہ

ضرورت، اہمیت اور اصول ومقاصد

پروفیسر ڈاکٹر سجاد علی استوری
شعبہ علوم اسلامی، وفاقی اردو یونیورسٹی

ABSTRACT

DIALOGUE AMONG THREE HEAVENLY RELIGIONS
NEED, IMPORTANCE, PRINCIPLES & OBJECTIVES

Throughout human history, it is a fact that man follows an ideology for his spiritual satisfaction. For that purpose, whatever he opts these ideas, these ideas and thoughts are named as religion. There are many schools of thought believe in the need and importance of religion. One of them does not believe in religion itself. But here we will base our discussion on the existence and importance of religion. Because, it's a fact that religion has its existence in any form and has impacts on human life. It's an undeniable truth that civilization forms in various dimensions due to religious thoughts and belongings. Professor Khursheed says, "The pillars of civilization is based on its principles, beliefs, norms and social institutions-all of these forms civilization". Sometimes there is a clash among different civilizations rooted in the different religious thoughts. Therefore, in this paper an attempt has

been done to explore the reasons of differences among these three (Jews, Christianity, Islam) heavenly religions while trying to its solution as well.

The dialogue among the heavenly religions is not aimed at producing unity at the cost of their uniqueness and fundamental believes. But to produce such an intellectual environment where a man can live with mutual understanding and unity among humanity. In this paper, it is investigated to explore principles and guideline for this unity. As we know that within these under discussion religions, there are differences on fundamental believes which produce schism in these religions. Samaritans and Karaim in Judaism, protestant and Catholics in Christianity and Shia and Sunni Sects in Islam are most prominent divisions.

The basic spirit of heavenly religions is to give the way for unity among believers (Ummat). Holy Quran on one side emphasized on the Muslim unity, "O believers, you are all brothers to each other " , at the same time it termed the whole humanity as an Ummat (Nation) and called for Human Unity , "All human beings are one Ummat ". As Quran gives importance among humanity how is it possible at the same time to give importance

for divisions instead of working for unity and closeness. Of course, unity shouldn't be based on religions but it should also be political and social as well. Religious harmony never could be achieved without economic and political stability in the society. So, efforts should be initiated for religious unity (preserving uniqueness and fundamental principles) to have positive effects on political and social spheres.

Dialogue among religions has a prom objective and that is to understand the reality. Today, if we talk on dialogue on Christianity and Judaism, one of the objectives is to make possible for the followers to understand other ideologies and truth and reality so that religious diversion could be minimized. Three religions are heavenly, so it is needed to highlight the commonalties to comprehend the source of reality among all these religions and to give them the message of Deen. It is the uniqueness of the Holy Prophet Muhammad's (P.B.U.H) tradition and fundamental characteristics of Islam to bring closer the different religions to each other and to give them the message of true Deen.

For the ultimate goal of well being of humanity through this dialogue, whatever efforts are needed

should be taken seriously. For that purpose the followers must be brought close to each other by highlighting the common human values, ethics and acceptance, so that human society be kept away from the way of division and destruction (this is also need for all religions of the world).

مکالمہ بین المذاہب دور حاضر کا ایک اہم موضوع ہے۔ دنیا کے موجودہ ناگفتہ بہ ح نے اس موضوع کی اہمیت میں اور اضافہ کیا ہے۔ اسی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اس موض منتخب کیا گیا ہے۔ بین المذاہب مکالمہ کیوں ضروری ہے۔ الہامی مذاہب بالخصوص مذاہب ثلا مکالمہ کی بنیادیں کیا ہیں اور ان کے درمیان مکالمے میں کیا رکاوٹیں ہیں۔ ان تمام اہم مسائل موضوع میں سیر حاصل تحقیق کی گئی ہے۔

مکالمہ بین المذاہب اہم اور عمومی موضوع ہے۔ اس مقالے میں اس موضوع کو ن ثلاثہ (یہودیت، عیسائیت اور سلام) تک محدود کیا گیا ہے اس کی چند وجوہات ہیں۔

(۱/۱) الہامی مذاہب

یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں الہامی مذاہب ہیں۔ یقیناً دیگر بہت سارے ن بھی الہامی ہو سکتے ہیں لیکن ان کے الہامی ہونے میں مختلف رائے پائی جاتی ہیں، یقینی طور پر الہامی قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ لیکن مذاہب ثلاثہ کے الہامی ہونے کے ساتھ دین و مذہب بارے میں بعض بنیادی نظریات پر عمومی اتفاق پایا جاتا ہے۔ جس میں عقیدہ توحید، عقیدہ ر اور عقیدہ آخرت شامل ہیں۔ البتہ ان کی تشریحات وتعبیرات اور مصادیق میں شدید اختلافات جاتے ہیں۔ ان تینوں مذاہب میں نہ صرف مذہبی و دینی مماثلت پائی جاتی ہے بلکہ سیاسی طور ایک خاص قربت ان کے درمیان موجود ہے۔

(۲/۱) اہل کتاب

یہودیت، عیسائیت کے ماننے والوں کے لئے قرآن مجید نے ''اہل کتاب'' کی اد سے یاد کیا ہے۔ قرآن مجید نے انسانیت کے ساتھ میل جول رکھنے کے عمومی حکم کے ساتھ اہل

کے ساتھ تعلقات کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مسلمان فقہاء اور علماء اہل کتاب کے ساتھ میل وجول، شادی بیاہ اور معاشرتی تعلقات کے حوالے سے خاص رعایت دیتے ہیں۔ اس بنیاد پر اس مقالے کو اہل کتاب تک ہی محدود کیا گیا ہے تا کہ الہامی تعلیمات میں مکالمے کی بنیادوں کو تلاش کیا جا سکے۔

(۱/۳) دنیا کی سیاست پر مذاہب ثلاثہ کا کردار

موضوع کو مذاہب ثلاثہ تک محدود کرنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے، چونکہ عیسائیت اور اسلام دنیا کے سب سے بڑے مذاہب ہیں۔ دنیا کی تقریباً نصف سے زیادہ آبادی کا تعلق ان دونوں مذاہب سے ہے۔ یہودیت ایک الہامی مذہب ہے، اس کے ماننے والوں کا کردار دنیا کی سیاست اور انسانی معاملات میں سب سے کلیدی ہے۔ ان تینوں مذاہب میں نہ صرف مذہبی و دینی مماثلت پائی جاتی ہے بلکہ سیاسی طور پر بھی ایک خاص قربت، ان کے درمیان موجود ہے۔ کیونکہ عالم اسلام کے نظریاتی اور سیاسی تعلقات (منفی و مثبت) یورپ سے گہرے ہیں۔ یورپ کی اکثر آبادی کا تعلق بھی ان دونوں مذاہب سے ہے جبکہ اسلام یورپ میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔

(۱/۴) بین الاقوامی مذاہب

مذاہب ثلاثہ بلا کسی شبہ بین الاقوامی مذاہب ہیں۔ بالخصوص عیسائیت اور اسلام کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں میں ہر ذات، ہر نسل اور ہر ملک کے باشندے شامل ہیں۔ ہندومت یقیناً دنیا کا ایک قدیم اور بڑا مذہب ہے لیکن مختلف وجوہات کی وجہ سے ہر نسل اور ہر ملک سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اس کو اختیار نہیں کیا ہے۔ لیکن عیسائیت اور اسلام کے ماننے والوں کا تعلق دنیا کے ہر گوشے و کنار سے ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے مکالمہ بین المذاہب کے موضوع کو مذاہب ثلاثہ تک محدود کر کے ان کے درمیان مکالمہ کی ضرورت پر گفتگو کرنا مناسب سمجھا گیا ہے۔ ورنہ دنیا میں جتنے بھی مذاہب موجود ہیں، ان سب کے درمیان مکالمہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(۲) مکالمے کی ضرورت واہمیت

مکالمہ کلام سے ماخوذ ہے۔ کلام کے متعدد مفاہیم بیان کئے جاتے ہیں۔ عربی ادب میں

کلام سے مراد ''مایفهم المخاطب'' وہ بات چیت جو متکلم کرے تو مخاطب کی سمجھ میں آ جائے۔ اس معنی میں ''بات چیت'' کو کلام کہا جائے گا۔

ممکن ہے کہ مکالمہ علم کلام کے پس منظر میں بیان کیا جاتا ہو کیونکہ علم کلام میں بنیادی اور اصولی نظریات اور عقائد میں اختلافات اور اس سے متعلق مباحث شامل ہوتے ہیں۔اسی لئے علم کلام کو عقائد کا علم بھی کہا جاتا ہے۔علم کلام کا تاریخی پس منظر یہی ہے کہ مسلمان فرقوں کے درمیان بعض مشترکہ اور مسلمہ عقائد کی تشریح و توضیح میں شدید اختلافات پائے جاتے تھے،جس میں خدا کا مجسم ہونا،قرآن کی حیثیت،قضاوقدر،جبر واختیار وغیرہ جیسے موضوعات پر مسلمان فرقوں کے درمیان بحثیں اور مناظرے ہوتے تھے۔اگر مکالمہ بین المذاہب کو علم کلام کے تناظر میں سمجھا جائے تو یہی بات اجاگر ہوتی ہے کہ مذاہب کے درمیان جن بنیادی نظریات پر اختلافات ہیں،ان پر بات چیت کی جائے۔اس لئے مکالمہ کو صرف جدید اور دور حاضر کے موضوعات تک محدود نہ کیا جائے بلکہ بنیادی عقائد اور نظریات کی توضیح اور تشریح پر بھی بات چیت کی جانی چاہئے۔اگر مذاہب ثلاثہ کی بات کریں تو تینوں مذاہب میں تین بنیادی عقائد (توحید، رسالت، قیامت) پائے جاتے ہیں۔ لیکن تعبیر وتشریح میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔لہٰذا ان بنیادی عقائد کی تعبیر وتشریح میں بھی مذاہب ثلاثہ کے درمیان مکالمہ ہونا چاہئے۔تاکہ انسانیت کو الہامی تعلیمات کی طرف راغب کیا جاسکے۔لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کون کرے۔اگر عام لکھنے والے اور سوچنے والے اس بات کو بیان کریں تو کیا کوئی قبول کرنے کے لئے تیار ہوگا۔جب تک ادیان کے مسلمہ اداروں کے متولین کی طرف سے اس سلسلے میں لچک کا مظاہرہ نہ ہو۔جب تک اہل مدرسہ ومسجد،اہل چرچ اور اہل یہود موروثی روش کو ترک کرکے الہامی عقائد پر مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے پر تیار نہ ہوں الہامی علوم اور عقلی میدان میں ان مباحث کو طے نہ کریں تو بنی نوع انسان کو الہامی پیغامات اور تعلیمات سے مطمئن نہیں کیا جاسکے گا،بلکہ خود ان مذاہب کے اندر باغیانہ طرز فکر کے ساتھ مصلین پیدا ہوتے جائیں گے،جس سے ان مذاہب کے اتحاد و یگانگت کو بھی نقصان پہنچتا رہے گا۔جس کی ماضی میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔

بہر حال تمام تعبیرات کے ساتھ مذاہب کے درمیان گفتگو اور بات چیت کرنے کو مکالمہ بین المذاہب کہا جاتا ہے۔جس کو انگریزی میں Interreligions dialogue

Interfaith or کہتے ہیں۔ جس کا مقصد مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان تعلقات ہموار کرنا ہے۔ یہ تعلقات انفرادی سطح سے لے کر مذاہب کے اداروں کے درمیان ہوسکتا ہے تا کہ لوگوں کے درمیان جو مشترکات اور مماثلات ہیں، ان کو اُجاگر کر کے دنیا میں امن و آشتی کو فروغ دیا جاسکے۔ مذاہب کے درمیان مکالمے کی ضرورت و اہمیت سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے آج پوری دنیا میں یہ احساس اُجاگر ہونا شروع ہوا ہے کہ بدامنی، تہذیبوں کا ٹکراؤ، طاقتور قوموں کا چھوٹی اور کمزور اقوام کو زیر کرنا، ان کی منابع اقتصادیات پر قبضہ کرنا، غریبوں کی کمائی امیروں پر خرچ ہونا، ناانصافی، معاندانہ رویوں کا پرچار ہونا، ان سب باتوں کے خاتمے کے لئے انسانیت کو کسی ایک چارٹر پر اتفاق کرنا ہوگا۔ اس کے لئے دنیا میں موجود جتنے مذاہب ہیں، ان کو آپس میں بات چیت کرنی ہوگی۔ جب تک مذاہب میں مکالمہ نہیں ہوگا، تب تک مذاہب میں ہم آہنگی اور مختلف تہذیبوں کو تصادم سے نہیں روکا جاسکتا ہے۔

(1) "There will be no peace among the nations without peace among the religions. There will be no peace among the religions without dialogue among the religions"

(۳) مکالمے کے مقاصد

مذاہب ثلاثہ کے درمیان مکالمے سے ہمارا مقصد یہی ہے کہ انسانیت کی بہتری کے لئے جو بھی اقدامات ہو سکتے ہیں، ان اقدامات کو اُٹھایا جائے۔ تا کہ انسانیت باہمی رواداری، اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی گزار سکے اور زیادہ سے زیادہ انسانی معاشرے کو انتشار و افتراق سے دور رکھا جاسکے۔

الہامی مذاہب کے درمیان مکالمے کا مقصد کوئی نئے مذہب کی اختراع نہیں جس کو ''مکالمہ بین المذاہب'' یا کوئی اور نام دیا جائے۔ اور نہ ہی ایسا اتحاد اور وحدت پیدا کرنا مقصود ہے، جس میں الہامی مذاہب کے بنیادی نظریات سے صرف نظر کرتے ہوئے، ان کی اختلافی حیثیت کو ختم کیا جائے۔ بلکہ ایک ایسے ماحول و فکر کی تشکیل کرنا ہے، جس میں باہمی راواداری اور اتحاد انسانی کے ساتھ زندگی گزاری جاسکے اور مذاہب کے درمیان تعلقات استوار ہوسکیں۔ تاریخ انسانیت میں ایسا نہیں ہوا ہے کہ

کبھی پوری انسانیت ہر طرح کے نظریاتی اختلافات کو ختم کرکے کسی ایک نظریے پر جمع ہوئی ہو۔ لہٰذا مکالمے کا مقصد انسانیت کے درمیان موجود ہر طرح کے مختلف نظریات کی نفی کرتے ہوئے ایک نظریے پر یکجا کرنا نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اختلافات کو انتشار اور تصادم کا ذریعہ قرار نہ دیا جائے، مکالمہ اسی معنوں میں ہوتا ہے کہ اختلاف رکھنا ہر کسی کا حق ہے۔ انتشار پھیلانے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔

☆ مذاہب کے درمیان مکالمے کا بنیادی مقصد حقیقت کو تلاش کرنا اور اسے قبول کرنا بھی ہے۔

اگر مذاہب ثلاثہ کے درمیان مکالمے اس بنیاد پر ہوں کہ حقیقت کو ہر حال میں اُجاگر کیا جائیگا۔ تو یقیناً مکالمے کے نتائج سامنے آجائیں گے۔ مذاہب ثلاثہ الہامی مذاہب ہیں۔ اس لئے ان کی بنیادی تعلیمات من جانب اللہ ہیں۔ یقیناً من جانب اللہ تعلیمات ایک غیر متغیر حقیقت ہوا کرتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تینوں مذاہب کے ماننے والے صحیح اور حقیقی الہامی تعلیمات پر اتفاق کرنے کوشش کریں تو یقیناً حقیقت کا ادراک ممکن ہوسکے گا۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں جب اہل قریش نے مسلمانوں پر تشدد کیا تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے سن ۵ ہجری میں بحکم رسول اللہ ﷺ حبشہ کی طرف ہجرت کیا۔ قریش نے مسلمانوں کی گرفتاری کے لئے نجاشی کے پاس ایک وفد بھیجا۔ نجاشی (اصحمہ) جو حبشہ کا ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ انہوں نے قریش کے وفد اور مسلمانوں کے وفد سے مشترکہ مکالمے کا اہتمام کیا۔ (۲) اس مکالمے کے نتیجے میں حبشہ کے عیسائی سلطان کے سامنے اسلام کی حقیقت منکشف ہوئی تو نتیجتاً مسلمانوں اور عیسائیت میں ممکنہ ٹکراؤ ختم ہوا۔ آج کے دور میں اگر ہم عیسائیت سے مکالمے کی بات کررہے ہیں تو اس کا ایک مقصد یہی ہے کہ دنیا کے دونوں بڑے مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ سچ اور حقیقت کا ادراک ہوسکے، جس سے مذہبی انتشار میں کمی واقع ہوسکے۔ مذاہب ثلاثہ Heavenly Religions ہیں اس لئے ان تینوں کے درمیان مشترکات کی اصل روح کو بیدار کرکے ان کے درمیان موجود منبع حقیقت کا ادراک حاصل کرنا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا امتیاز اور دین اسلام کی بنیادی خصوصیت ہے کہ مختلف مذاہب کو ایک دوسرے سے قریب کرکے انہیں دین (حقیقت) کا پیغام پہنچایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سن ٦ ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد بنیادی طور پر دنیا کے سلاطین و حکمرانوں کو خطوط لکھے۔ (۳) یہ خطوط جہاں ایک طرف دین کی دعوت پر مبنی تھے تو دوسری طرف یہ مذاہب کے درمیان مکالمے کی ایک شکل بھی تھی۔ ان خطوط اور اپنے نمائندوں کے واسطے سے آپ ﷺ نے اس زمانے کے مشہور مذاہب کے رہنماؤں سے